اے بی سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مستند اشاعت

لہٗ دعوۃ الحق

قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار

فون نمبر دارالعلوم ـ ۴۴

فون نمبر رہائش ـ ۲

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

جلد نمبر : ۸

شمارہ نمبر : ۹

جون ـ ۱۹۷۳ء

جمادی الاولیٰ ۱۳۹۳ھ

مدیر

سمیع الحق

اس شمارے میں

مغربی و مشرقی پاکستان سے سالانہ ۸ روپے	فی پرچہ ۷۵ پیسے	غیر ممالک بحری ڈاک ایک پونڈ ہوائی ڈاک ۲ پونڈ

سمیع الحق استاذ دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پاکستان کے نئے دستور میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیثیت خاتم النبیین بطور آخری نبی کے ایک حقیقت تسلیم کر لی گئی ہے۔ اس دستور کی تکمیل کے تین ہفتے بعد کشمیر کی وادیوں سے ایک درجہ پر جو آواز اٹھی اور ہمارے فضا کے بسیط میں پھیل گئی۔ پاکستان کی سرزمین اس آوازۂ حق سے گونج اٹھی۔ باطل کے در و دیوار لرز اٹھے، کفر تھرا گیا اور جعلی نبوت کے ظلمتکدوں کی تاریکی اور بڑھ گئی۔ یہ آزاد کشمیر اسمبلی کی ایمان میں ڈوبی ہوئی آواز تھی۔ یہ جرأت ایمانی اور حمیت، ناموس رسالت کی ترجمانی کرنے والا فیصلہ تھا جس میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا اعلانِ حق کیا گیا تھا۔ اس خبر کے پھیلتے ہی اسلامیانِ پاکستان میں خوشی و مسرت کی لہر دوڑ گئی ——— اس جرأت مندانہ اور مومنانہ فیصلہ پر آزاد کشمیر اسمبلی اور صدر آزاد کشمیر سردار عبدالقیوم خان کو بے پناہ خراجِ تحسین پیش کیا گیا کہ ایسا کرنا ایمان کا تقاضا تھا۔ مگر جن کے دل اس روشنی سے محروم تھے اور جن کا باطن ناموسِ رسالت پر مر مٹنے کے جذبات سے عاری ہو چکا اور جو آنکھوں کے نہیں مگر دلوں کے اندھے تھے۔ ان کے خرمنِ دجل و تلبیس پر یہ قرارداد ایک صاعقہ بن کر گری۔ ان کی سازشوں کا سلسلہ تیز سے تیز تر اور گہرا ہوتا چلا گیا ——— آزاد کشمیر کی حکومت اسی جرم کی پاداش میں معزول کی جا چکی ہوتی اگر ملتِ مسلمہ کا جذبۂ فدائیت اور ناموسِ رسالت پر مر مٹنے والے عزائم اس خواہش کے آڑے نہ آتے۔

جن لوگوں کو یہ فیصلہ ناگوار گذرا ہے، ان کی حقیقت سردار عبدالقیوم خان ہی کے ان الفاظ سے معلوم کی جا سکتی ہے۔ جو انہوں نے مرکزی وزیر داخلہ خان عبدالقیوم کے نام ایک تفصیلی مکتوب میں لکھے اور کہا کہ "دراصل بات میرے خلاف الزامات کی نہیں بلکہ آپ حضرات کو تکلیف اس امر کی ہے کہ میں یہاں آزاد کشمیر میں اسلامی قوانین کا نفاذ تیزی سے کیوں کر رہا ہوں۔ اور قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کی توفیق کا مجھ سے مطالبہ ہو رہا ہے۔ قطعاً قادیانیوں کی بھی آپ کو اتنی پریشانی نہیں جتنی اسلامی نظام کے نفاذ کی ہے۔"

بہرحال یہ مسئلہ صرف آزاد کشمیر کا نہیں، صرف برصغیر کا نہیں، نہ صرف عالم اسلام کا ہے، بلکہ روئے زمین پر بسنے والے ہر اس شخص کے ہر نام لیوا امتی اور دربارِ رسالت کی چوکھٹ سے نسبت رکھنے والے

ہر ادنیٰ سے ادنیٰ غلام کا ہے۔ "قادیانی مسلم نزاع" جتنا بھی وقتی طور پر دبا دیا جائے گا، اتنا ہی شدت سے یہ امت کے اساسی تصور ایمان اور تصور رسالت کی وجہ سے مسلمانوں کو دعوت فکر و عمل دیتا رہے گا۔ اسلام کے قطعی معتقدات قرآن وسنت کی متواتر تعلیمات، نبی کریم سے عشق و محبت، رسول عربی سے نسبت غلامی اسلاف کے اجماعی فیصلے اور ملی اتحاد و یکجہتی کی حفاظت اور اس طرح کے ہزاروں ملی، دینی، سیاسی اور معاشرتی تقاضے ہمیں مجبور کریں گے کہ ہم ایک بار اٹھ کر اس "نبوت کاذبہ" کے سارے نشانات ایک ایک کر کے مٹا دیں۔ اسلامی لبادہ اوڑھ کر دنیا میں پھیلنے والے اس دجالی کفر کو جب تک پوری طرح ٹھکانے نہ لگایا گیا قادیانیت پوری امت کیلئے ایک چیلنج بنی رہے گی، اور محمد عربی کی فدائی امت اپنے محبوب پیغمبر کے سامنے سرخرو نہیں ہو سکے گی۔ قرآن ہمیں ایسے معاملات میں ـــ وقاتلوھم حتی لایکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للّٰہ ـــ جو لوگ اس بارہ میں رواداری اور وسیع النظری کا مطالبہ کرتے ہیں جو ایسی باتوں کو تنگ نظری اور فرقہ واریت سمجھتے ہیں وہ ایمان کی حقیقت سے کوسوں دور ہیں اور ہزار بار دعویٰ ایمان و اسلام کے باوجود خدا کی نگاہ میں ان کی وقعت سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل وحشی کے پیشاب کے قطرے کے برابر بھی نہیں جس نے نبی کریم کی دل آزاری کا کفارہ اس زمانہ کے جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کو تہ تیغ کرنے کی شکل میں دیا۔ اور جب تک اس ملعون کو جہنم رسید نہ کیا اس وقت تک خدا کی رحمت و مغفرت کے امیدوار نہ بن سکے ـــ تعجب ہے کہ بعض لوگ قادیانیوں کے بارہ میں مسلمانوں سے علیحدہ اقلیت ہی کی چیں بجبیں ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ یہاں مسئلہ کفر و اسلام کا نہیں اسلام اور ارتداد کا ہے۔ اور پوری اسلامی تاریخ میں ایسے لوگوں کی سزا قتل سے کم ہرگز نہ تھی۔ اسے مسلمانوں کی رواداری کہئے یا مجبوریاں کہ وہ قادیانیوں کے بارہ میں انہیں "اقلیت قرار دینے" کا کم تر درجہ مطالبہ کر سکتے ہیں۔

تو آیئے! ہم اس اقلیت کے مطالبہ کا ایک سرسری جائزہ لیں ـــ جہاں تک [illegible] اقلیت کے مسئلہ سے قادیانیوں کی حیثیت ایک الگ اور متوازی امت ہونے کے [illegible] بلکہ خود مرزائیت اپنی تمام تر تعلیمات و اعمال میں [illegible] ایک متوازی امت [illegible] ہے بلکہ اپنے پیروں کو عبادات معاملات، معاشرت، دین و دنیا ہر شعبہ زندگی میں الگ علیحدہ جداگانہ تشخص کی تلقین و تاکید کرتی چلی آ رہی ہے۔ اور اس دائرہ سے باہر تمام غیر مرزائی مسلمانوں کو ایک علیحدہ امت اور الگ گروہ کہنے اور سمجھنے کے ہزاروں شواہد ہمارے پاس موجود ہیں۔ مرزا غلام احمد نے کہا ہے کہ "ہر وہ شخص جس کو میری دعوت پہنچی اور اس نے مجھے قبول نہ کیا، وہ مسلمان نہیں ہے ـــ

(تشحیذ الاذہان جلد ۶ صفحہ ۱۳۵) اور کہا کہ میری بیعت میں توقف کرنے والا بھی کافر ہے (قادیانی قول و فعل الیاس برنی صفحہ ۱۱) ان کے خلیفہ نے ایک قدم آگے بڑھ کر یہاں تک اعلان کیا کہ ۔۔۔ مرزا کی دعوت قبول نہ کرنے والے خواہ انہوں نے مرزا کا نام تک بھی نہ سنا ہو کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں (صفحہ ۱) ان کا انکار موجب غضب الٰہی اور کفر ہے (صفحہ ۱۱) ایسے لوگ خدا و رسول کے نافرمان اور جہنمی ہیں (صفحہ ۱۶) اپنے نہ ماننے والوں کو مرزا کیسے "پاکیزہ" القاب سے نواز کر کہتا ہے بکل مؤمن یتقبلنی الا ذریۃ البغایا ۔۔۔ میرے مخالف جنگلوں کے سؤر ہو گئے ان کی عورتیں کتیوں سے بڑھ گئیں (نجم الہدیٰ صفحہ ۵۲) ہماری فتح کا قائل نہ ہونے والا ولد الحرام ہے حلال زادہ نہیں ۔۔۔

مرزا کے خلیفہ اور فرزند محمود احمد نے قادیانیت کے نمائندہ کی حیثیت سے گورداسپور کی عدالت میں کہا: کسی ایک نبی کا انکار بھی کفر ہے (اس لئے) غیر احمدی کافر ہیں۔ (الفضل ۲۶ جون ۱۹۲۲ء) قادیانیت کے عالمی ترجمان ظفر اللہ خان کا قائد اعظم کے نماز جنازہ سے انکار کس کو معلوم نہیں۔ اور جب پوچھا گیا تو ظفر اللہ نے کہا کہ مجھے کافر حکومت کا مسلمان ملازم سمجھئے یا مسلمان حکومت کا کافر ملازم ۔۔۔ قائد اعظم سے بہت پہلے اسی ظفر اللہ نے اپنے ایک اور محسن سر فضل حسین کے جنازہ سے بھی یہی سلوک کیا اور دور ہندو سکھوں کے ساتھ الگ کھڑے رہے۔ (قادیانی قول و فعل صفحہ ۲۳) یہی نہیں بلکہ جب بھی مرزائیوں کے موقف کی ترجمانی کی ضرورت ہوئی، ظفر اللہ نے عدالت میں بھی اس موقف کی تائید کی کہ وہ غیر احمدیوں کو کافر کہتے ہیں۔ (صفحہ ۱۹)

ابھی پچھلے سال ایم ایم احمد نے اپنے اوپر قاتلانہ حملہ کے مقدمہ میں مرزائیوں کے اسی موقف کو بڑی ڈھٹائی سے دہرایا اور جنازہ کے مسئلہ میں ظفر اللہ کے موقف کی بھی تصدیق کی ۔۔۔ مسلمانوں کے بارہ میں مرزائیوں کا یہ موقف اتنا کھلا اور واضح ہے کہ ۱۹۵۳ء کی منیر انکوائری نے بھی ہزار بددیانتی اور جانبدارانہ رویہ کے باوجود اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ ۔۔۔ ہم نے اس بارہ میں احمدیوں کے بیشمار اعلانات دیکھے ہیں اور ہمارے لئے ان کی کوئی تعبیر سوائے اس کے ممکن نہیں کہ مرزا کے نہ ماننے والے ان کے نزدیک دائرہ اسلام سے خارج ہیں (رپورٹ صفحہ ۲۱۲)

یہ تو مسلمانوں کے بارہ میں ان کا اصولی طرز عمل ہوا کہ وہ اپنے کو مسلمانوں سے ایک الگ اور جداگانہ امت سمجھنے لگے آگے اس اصولی موقف کو قائم رکھنے کیلئے دین و دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جس میں مرزائیوں نے مسلمانوں سے الگ تشخص قائم رکھنے کی تلقین نہ کی ہو۔ کہا گیا کہ مسلمانوں کے لئے

دعائے مغفرت ممنوع ہے اس لئے کہ کفار کو دعائے مغفرت جائز نہیں (قادیانی قول وفعل ص۲۲) غیر احمدی کا جنازہ ہرگز جائز نہیں (ص۲۳) ایسے لوگوں کے معصوم بچوں کا جنازہ بھی جائز نہیں (ص۲۹) مرزا نے اپنے ایک بیٹے کا محض اس لئے جنازہ نہ پڑھا کہ وہ غیر احمدی (مسلمان) تھا (ص۲۳) کسی غیر احمدی کے پیچھے نماز پڑھنا تو کجا کسی احمدی نے ایسا کیا تو اس کا جنازہ بھی جائز نہیں (ص۲۴)

یہ تو عبادات کا حکم تھا، معاشرتی معاملات کو دیکھئے، مرزا کا قطعی حکم ہے کہ کوئی احمدی، غیر احمدی کو لڑکی نہ دے (ص۲۶) البتہ ان کی لڑکیوں کو بیاہ سکتا ہے جس طرح یہودی اور عیسائی لڑکی کو (ص۲۷)

خود خلیفہ مرزا کے الفاظ میں ــــ دینی تعلیمات نماز وغیرہ دنیوی تعلقات رشتہ ناطہ وغیرہ کے بعد اب رہ کیا گیا ہے کہ ہمارے لئے ان کے ساتھ قائم رکھنا جائز ہو۔ سلام کہنا بھی جائز نہیں۔ (ص۳۰ بحوالہ کلمۃ الفصل) مرزا ساری عمر نہ غیر احمدیوں کی کسی انجمن کے ممبر ہوئے نہ ان کو اپنا ممبر بنایا نہ ان کو چندہ دیا۔ (ص۳۰) مرزائیوں سے اختلاف کو فروعی اور جزئی قرار دینے والے بے حمیت "مسلمانوں" کے منہ پر خود مرزائیوں نے اپنا غلیظ تھپڑ اس طرح مارا ہے کہ وہ برملا کہتے ہیں: "یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وفات مسیح یا اور چند مسائل میں ہے۔ اللہ کی ذات، رسول کریم قرآن، نماز روزہ، حج زکوٰۃ غرض کہ آپ نے تفصیل سے بتایا کہ ایک ایک جزء میں ہمیں ان سے اختلاف ہے۔" (خطبہ مرزا بشیر الدین الفضل ۳۰ جولائی ۱۹۳۱ء) مرزائی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں مگر مرزا نے خود اس دعویٰ کی قلعی اس طرح کھول دی ہے کہ ان (مسلمانوں) کا اسلام اور ہے اور ہمارا اور ہے۔ (ایضاً ۲۱ دسمبر ۱۹۱۴ء)

مسلمانوں سے دین اور معاشرت ہر لحاظ سے علیحدگی کی تلقین کے بعد اپنی جداگانہ تشخص کن کن طریقوں سے بحیثیت ایک الگ امت کے قائم کی گئی اس کی تفصیل دیکھئے۔

۱۔ اپنے پیروؤں کو "میری امت" سے تعبیر کیا گیا۔ ۲۔ رفقاء کو صحابہ کرام کا نام دیا۔ ۳۔ بیویوں کو امہات المؤمنین اور سیدۃ النساء کی اصطلاح سے نوازا۔ ۴۔ مرزا کے مدفن کو گنبد خضراء کے مماثل ٹھہرایا۔ ۵۔ قادیان کو مکہ اور مدینہ کے برابر ٹھہرایا۔ ۶۔ قادیان کے سفر کو ظلی حج کا لقب دیا۔ ۷۔ سنہ ہجری کے علاوہ نئی تقویم کی بنیاد ڈالی۔ الغرض کسی دین اور امت کے تمام لوازمات اور مناسبات کو ایک ایک کر کے اختیار کرنے کی سعی کی گئی، اپنے مقابل امت محمدیہ کو سیاسی سطح پہ جس طرح برصغیر اور پوری دنیا میں مٹانے کی کوششیں کی گئیں اور کی جا رہی ہیں وہ آج کی فرصت کا موضوع نہیں۔ کبھی آئندہ اس پر مفصل گفتگو ہو گی انشاء اللہ۔ اس سب کچھ کے ہوتے ہوئے جب بھی مسلمانوں کی طرف سے آواز اٹھی کہ انہیں اقلیت قرار دیا جائے تو سارے مسلمانوں کو کافر اور جہنمی کہنے والوں کی "رگ اسلامیت" پھڑک اٹھتی ہے اور

واویلا مچ جاتا ہے کہ اس طرح وہ اسلامی لبادہ میں مار آستین بن کر مسلمانوں کے اندر رہتے ہوئے سیاسی، اقتصادی، معاشرتی اور سماجی مفادات سے محروم ہو جائیں گے اور بدقسمتی سے اس انگریز کی پیدا کردہ "امت" کو انگریز ہی کی دیسی ذریت کی شکل میں سرپرست بھی مل جاتے ہیں۔

★

اب تک مرزائیوں نے جو نیا سلسلہ شروع کیا ہے وہ اپنے ایمان اور اسلام اور مسلمان ہونے کا پروپیگنڈہ ہے۔ گھر گھر ایسے پمفلٹ اور رسائل پہنچائے جا رہے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ غیر احمدیوں کو مسلمان سمجھتے ہیں حضورؐ کو خاتم النبیین جانتے ہیں، کلمہ گو ہیں، نماز روزہ حج زکوٰۃ کے قائل ہیں اس طرح بہت سی باتوں کے ذریعہ سادہ لوح مسلمانوں کو فریب دہی کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہاں ہم ایسے دعووں کا بھی سرسری جائزہ ضروری سمجھتے ہیں۔

۱۔ وہ حضورؐ کو ہزار بار خاتم النبیین کہیں مگر اس سے ان کی مراد امت کا متفقہ مفہوم آخری نبی ہونا ہرگز نہیں ہوتا بلکہ انبیاء بن جس کی مہر (خاتم) امت کو نبی بنا دے مرزا محمود احمد دوسرے خلیفہ نے عدالت میں بیان دیا کہ لغت میں خاتم النبیین کے معنی آخری نبی کسی جگہ نہیں لکھے (عدالت گورداسپور میں بیان شائع کردہ انجمن احمدیہ لاہور ص۲۰)

۲۔ مرزا کی اکثر ایسی عبارتیں ان کتابچوں میں پیش کی جا رہی ہیں جو اس کے دعوائے نبوت ۱۹۰۱ء سے قبل لکھی گئی ہیں جبکہ اس زمانہ میں خود مرزا نبوت کے دعویداروں کو کاذب، کافر، بدبخت، دشمن قرآن، بے شرم اور کیا کیا کچھ قرار دیتے تھے (ملاحظہ ہو آسمانی فیصلہ ص۲۵ تبلیغ رسالت جلد۲ ص۲، ص۳۲ وغیرہ) مگر جب "نبوت" کا دورہ پڑ گیا تو نہ صرف نبی بلکہ حقیقی نبی (حقیقۃ النبوۃ ص۱۷۴) رسول (دافع البلاء ص۱۰-۱۱) مہدی اور محمد (الفضل ۲۶ جنوری ۱۹۱۶ء) تمام انبیاء سے افضل (در ثمین) بن گئے۔

۳۔ مرزائی اپنے آپ کو کلمہ گو کہتے ہیں کہ ہمارا کلمہ شہادت ایک ہی ہے۔ اس کی حقیقت بھی سنئے مرزائیوں کے نزدیک اس کلمہ سے مرزا کی نبوت کی تصدیق اور مرزا کی ذات ہوتی ہے وہ اگر کلمہ گو ہیں تو مرزا ہی کے نہ کہ محمد عربی علیہ السلام کے۔ اس لئے کہ مرزا کہتا ہے کہ "محمد الرسول اللہ سے مراد میں ہوں اور محمد الرسول اللہ خدا نے مجھے کہا ہے۔ (الفضل ۱۵ر جولائی ۱۹۱۵ء) احمد سے مراد مرزا ہیں۔ (الفضل ۱۹ر اگست ۱۹۱۸ء) قرآن میں آپ ہی کی بشارت کا ذکر ہے ——— اب (خاکم بدہن) محمد الرسول اللہ کو بھی مرزا کے اتباع کے بغیر چارہ نہ تھا۔ (پیغام صلح جلد ۲۲ ص۳۴) اس وحی اللہ میں میرا نام

محمد رکھا گیا ہے۔ اور رسول بھی (تبلیغ رسالت جلد ۲ ص ۱۷) اس لئے مرزائیوں نے خود تسلیم کیا ہے کہ ـــــ ہمیں نئے کلمہ کی ضرورت پیش نہیں آتی کیونکہ مسیح موعود رسول کریم سے الگ کوئی چیز نہیں وہ (مرزا) خود محمد الرسول اللہ ہے۔ اس لئے ہم کو نئے کلمہ کی ضرورت نہیں اگر محمد الرسول اللہ کی جگہ اور آتا تو ضرورت ہوتی (کلمۃ الفصل رسالہ ریویو آف ریلیجنز جلد ۱۴ ص ۱۵۸)

۴۔ وہ اپنی موجودہ تحریرات میں مسلمانوں کو مسلمان کہتے ہیں جبکہ مذکورہ بالا حوالوں سے آپ کو اس کے خلاف معلوم ہوچکا تو لیجئے اس تقیہ اور دجل وتلبیس کی حقیقت بھی خود مرزائیوں سے سنئے مرزا بشیر الدین محمود نے خود یہ الجھن دور کردی ہے کہ ہم اگر انہیں غیر احمدیوں کو مسلمان سے موسوم کرتے ہیں تو محض اس لئے کہ وہ مسلمان کے نام سے پکارے جاتے ہیں اس لفظ کے بغیر پتہ نہیں چل سکتا مگر خدا کے نزدیک مسلمان نہیں، انہیں نئے سرے سے مسلمان کرنا ہوگا۔ (مرزا بشیر احمد ص ۱۲)

۵۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں مگر مرزا کی اصطلاح میں " ان کا (مسلمانوں) کا اسلام اور ہے اور ہمارا اور"

۶۔ اگر ایک شخص ہزار بار کلمہ گو کہلائے کلمہ شہادت کو شبانہ روز ورد بنادے مگر دین کے کسی قطعی عقیدہ یا ضروریات دین میں سے کسی ایک بات کا منکر ہو تو تمام امت کے نزدیک بالاجماع کافر ہو جاتا ہے۔ یہی طرز عمل خود مرزا محمود احمد نے غیر احمدی یعنی مسلمانوں کے بارہ میں اختیار کیا ان سے پوچھا گیا کہ کیا یہ لوگ کلمہ گو نہیں کہ آپ انہیں کافر کہتے ہیں مرزا نے جواب دیا بیشک وہ کلمہ گو ہیں۔ مگر مسلم کے لئے توحید تمام انبیاء ملائکہ کتب سماوی پر ایمان لانا ضروری ہے اور جو ان میں سے ایک کا منکر ہو جائے تو کافر ہو جاتا ہے۔ اسی طرح غیر احمدی مرزا کی نبوت سے منکر ہو کر کفار میں شامل ہو گئے ـــ (الفضل جلد ۲ جون ۱۹۲۳ء) خود مرزا نے ایک دفعہ کھل کر جواب دیا کہ صوم وصلوٰۃ کا پابند شخص بھی اگر کسی ایک حکم کو نہ مانے تو کافر ہو جاتا ہے۔ اگر زنا یا چوری کو جائز کہہ دے تو کافر ہو جاتا ہے۔ (البدر ۲۶ جون ۱۹۱۳ء)

پس ٹھیک یہی موقف مسلمانوں کا مرزائیوں کے بارہ میں ہے۔ اگر کوئی شخص اسلام قرآن حدیث ارکان اسلام شعائر اسلام نبی کریمؐ کی مدح و توصیف سے دفتر بھر دے مگر وہ حضور خاتم النبیین کے بعد کسی بھی شخص کو کسی قسم کا نبی تسلیم کرتا ہے۔ بلکہ اسے کافر اور ملعون نہیں سمجھتا تو وہ اسلام کے متفقہ فیصلہ کی رو سے کافر اور بدتر ہوگا۔ اس لئے کہ امتیں انبیاء سے بنتی ہیں۔ عیسائی حضرت موسیٰ کی نبوت تورات اور تمام احکام کو تسلیم کرتے ہوئے یہودیوں کے نزدیک اس لئے نئی امت ٹھہرے کہ حضرت عیسیٰ کی نبوت تسلیم کرلی۔ مسلمان حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ ان کی کتابوں ان کے دین اور ان کی سچی تعلیمات

کی ہزار دل وجان سے تصدیق کرتے ہیں۔ مگر وہ عیسائی اور یہودی نہیں بلکہ محمدی اس لئے کہلاتے ہیں کہ وہ حضورؐ کی نبوت پر ایمان لائے جنہوں نے تسلیم نہ کیا وہ عیسائی اور یہودی رہے اسطرح مرزائی حضور نبی کریمؐ اور اسلام کی تمام تعلیمات کو تسلیم کرتے ہوئے بھی مرزا غلام احمد سے ادنیٰ رابطہ اور تعلق قائم رکھنے پر بھی اسلامی اور محمدی امت ہی سے خود بخود نکل جاتے ہیں۔

پس آج اگر یہ مطالبہ ہوتا ہے کہ انہیں مسلمانوں سے ایک الگ اور جداگانہ اقلیت قرار دیدیا جائے تو یہ دونوں جماعتوں (مسلمانوں اور مرزائیوں) کے معتقدات کا لازمی نتیجہ ہے۔ مگر مرزائی مسلمانوں کے اندر رہ کر سیاسی، معاشی اور معاشرتی مفادات کی خاطر نفاق کا لبادہ اوڑھے ہوئے ہیں کہ اس طرح دینی پردے میں وہ ملت مسلمہ کے اتحاد پر ضرب، کاری بھی لگا سکیں گے۔ اور مفادات بھی حاصل ہوتے رہیں گے۔

مگر حالات جو بھی ہوں پورے پاکستان اور پورے عالم اسلام کے فدایان محمد عربی اور پوری امت اسلامی کا یہی مطالبہ رہے گا، جسے آج سے کافی عرصہ قبل مفکر اسلام علامہ اقبالؒ نے انگریزی حکومت کو خطاب کرتے ہوئے ان الفاظ میں پیش کیا تھا کہ:

"ہمیں قادیانیوں کی حکمت عملی اور دنیائے اسلام سے متعلق ان کے رویہ کو فراموش نہیں کرنا چاہئے۔ جب قادیانی مذہبی اور معاشرتی معاملات میں علیحدگی کی پالیسی اختیار کرتے ہیں۔ تو پھر سیاسی طور پر مسلمانوں میں شامل ہونے کیلئے کیوں مضطرب ہیں۔؟ ملت اسلامیہ کو اس مطالبے کا پورا پورا حق حاصل ہے کہ قادیانیوں کو علیحدہ کر دیا جائے۔ اگر حکومت نے یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا تو مسلمانوں کو شک گزرے گا۔ کہ حکومت اس نئے مذہب کی علیحدگی میں دیر کر رہی ہے۔ کیونکہ ابھی قادیانی اس قابل نہیں کہ چوتھی جماعت کی حیثیت سے برائے نام اکثریت کو ضرب پہنچا سکیں ——"

(اسٹیٹسمین کے نام خط ۱۰ ارجون ۱۹۳۵ء)

علامہ اقبالؒ نے حکومت وقت کے طرز عمل کو جھنجھوڑتے ہوئے مزید فرمایا:

"اگر حکومت کے لئے یہ گروہ مفید ہے۔ تو وہ اس کی خدمات کا صلہ دینے کی پوری طرح مجاز ہے لیکن اس ملت کے لئے اسے نظر انداز کرنا مشکل ہے جس کا اجتماعی وجود اس کے باعث خطرہ میں ہے۔" —— الغرض آج بھی مسلمانوں کا یہی مطالبہ ہے کہ مرزا قادیان کے جملہ متبعین کو سندھ سکھ عیسائیوں کی طرح غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ انہیں تمام کلیدی مناصب سے ہٹا دیا جائے انکی تبلیغی سرگرمیوں پر پابندی لگائی جائے اور حضورؐ کے بعد کسی نوع کا دعویٰ نبوت اور کسی ایسے مدعی کی تصدیق وتائید کی سزا مرتد کی سزا سے ہرگز کم نہ ہو۔　　واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی قرارداد مسترد کردی گئی

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ممبر قومی اسمبلی مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک نے قومی اسمبلی کے حالیہ اجلاس میں قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کی قرارداد پیش کرنے کی کوشش کرتے ہوئے نیشنل اسمبلی کے سیکرٹری کے نام حسب ذیل قرارداد شامل کرنے کا تحریری نوٹس بھیجا تھا :

" اس اسمبلی کی رائے ہے کہ پاکستان میں مرزائی جماعت اور اس کے تمام افراد (قادیانی اور لاہوری ہر دو جماعتوں) کو قرآن وسنت اور اجماع امت کے متفقہ فیصلہ کی بناء پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے، ان کی تمام تبلیغی سرگرمیوں پر پابندی عائد کی جائے اور انہیں زندگی کے تمام شعبوں میں اپنی علیحدہ تشخص قائم کرنے کی ہدایت دی جائے۔ یہ اسمبلی آزاد کشمیر اسمبلی کی اس قرارداد کی تحسین اور تائید کرتی ہے جس میں مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے اور ان کی رجسٹریشن کرانے پر زور دیا گیا ہے، نیز آئندہ کیلئے حضور نبی کریمؐ کے بعد کسی قسم کا دعویٰ نبوت کرنے یا ایسے کسی مدعی کی پیروی کرنے والوں کے ساتھ مرتد کا سلوک کیا جائے "

قومی اسمبلی کے سپیکر کیطرف سے ڈپٹی سیکرٹری نے ۲۴ رمئی کو تحریری جواب میں یہ کہتے ہوئے اس نوٹس کو مسترد کر دیا، کہ ایسی کوئی قرارداد اسمبلی کے قواعد اور طریق کار پر پوری نہیں اترتی اس لئے زیر بحث نہیں لائی جاسکتی ــــ سرکاری چٹھی کی نقل حسب ذیل ہے :

قومی اسمبلی سیکرٹریٹ

نمبر الف - ۱۷ (۱) /۷۳ - لیجس - (آر ٹی ۔ ۔)　　　　اسلام آباد ، ۲۴ رمئی ۱۹۷۳ء

بخدمت مولانا عبدالحق رکن قومی اسمبلی

موضوع :- قادیانیوں کا بطور غیر مسلم اقلیت قرار دیا جانا

حسب خواہش میں جناب کو مطلع کرتا ہوں، کہ قومی اسمبلی (متعلقہ) کے قواعد ضابطہ کار و انصرام کارروائی کے قاعدہ ۹۰ بملاحظہ قاعدہ ۸۹ کے تحت، سپیکر نے آپ کی مندرجہ بالا قرارداد کو، جس کا نوٹس آپ نے ۲۲ رمئی ۷۳ ۱۹ء کو دیا تھا، نامنظور کر دیا ہے ـــــ

آپ کا مخلص

(دستخط)

ڈپٹی سیکرٹری

آزاد کشمیر کے بارہ میں
شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی تحریکِ التواء

قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے والی قرارداد کی توثیق کے فوراً بعد آزاد کشمیر حکومت کو جن تشویشناک حالات کا سامنا کرنا پڑا اس کے بارہ میں قومی اسمبلی میں تحریک التوا کے کئی نوٹس دیئے گئے۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق نے بھی تحریک التواء داخل کی۔ ۳۰ مئی ۱۹۷۳ء کو ان تحاریک میں سے ایک تحریک کو جناب سپیکر اسمبلی نے کافی ردو قدح کے بعد مسترد کر دیا۔ محرکین نے اس نوع کی دیگر تحاریک پر بحث کا بھی مطالبہ کیا جسے نامنظور کر دیا گیا جس پر حزب اختلاف نے بالآخر احتجاجی واک آؤٹ کیا — ہم یہاں حضرت شیخ الحدیث کی داخل کردہ تحریکِ التواء اور اسکی تشریح پیش کرتے ہیں۔ (ادارہ)

★

تحریک: میں قومی اسمبلی کے ضوابط کار کی دفعہ ۵۲ اور ۵۴ کے تحت تجویز پیش کرتا ہوں کہ قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر کے آزاد کشمیر کی موجودہ صورتحال اور وہاں کی موجودہ منتخب حکومت کے خلاف پیدا کئے ہوئے بحران پر بحث کی جائے اس لئے کہ اس بحران کی وجہ وہ قرارداد بتائی جارہی ہے۔ جو قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے بارہ میں پاس کی گئی ہے۔ اور اسطرح یہ مسئلہ صرف آزاد کشمیر کا نہیں بلکہ پورے پاکستان کا مسئلہ بن چکا ہے۔

تشریح: کئی دنوں سے آزاد کشمیر کے بارہ میں ایسی تشویشناک خبریں آرہی ہیں جو ان حالات کے محرکات کی نزاکت اور وہاں کی جغرافیائی پوزیشن کی وجہ سے پورے پاکستان کے مسلمانوں کے لئے وجہ تشویش بنی ہوئی ہیں۔ بظاہر آزاد کشمیر کی منتخب عوامی حکومت کے خلاف ریاست کے اندر اور باہر ایسی کوششیں صرف اس قرارداد کی وجہ سے کی جارہی ہیں جس میں وہاں کی اسمبلی نے پورے ایمانی اور جمہوری اختیارات کا مظاہرہ کر کے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی سفارش کی ہے — چونکہ

اس مسئلہ سے پاکستان کے ۹۵ فیصد مسلمان اکثریت کا نہایت گہرا یا جذباتی اعتقادی تعلق ہے اور پورے ملک میں اس قرارداد کا خیر مقدم کیا گیا ہے۔ اس لئے ایک خالص اسلامی قرارداد کے ردِ عمل میں اگر آزاد کشمیر کی حکومت پر اس بارہ میں دباؤ ڈالا گیا یا قرارداد واپس نہ لینے کی صورت میں وہاں کی حکومت کو استعفیٰ دینے پر مجبور کیا گیا تو اس کا پورے ملک میں بدترین اثر ہوگا۔ اور تمام مسلمانوں کو یہ احساس ہوگا کہ یہاں کی اکثریت اقلیتی فرقہ قادیانیوں کے رحم و کرم پر ہے۔ اور گویا تمام مسلمان بے بس ہیں۔ پھر لازماً اس کے نتیجہ میں ملک میں انتشار، بددلی، اور پریشانی پھیلے گی۔ اس لئے قومی اسمبلی کا اجلاس ملتوی کر کے اس مسئلہ کے تمام محرکات، اسباب اور اس سے رونما ہونے والے نتائج پر بحث کی جائے۔

آزاد کشمیر کی ریاست جغرافیائی لحاظ سے نہایت نازک حیثیت رکھتی ہے، وہاں رونما ہونے والے ایسے حالات اور بھی ملک کی سالمیت کے لحاظ سے اہمیت رکھتے ہیں، یہ قرارداد آزاد کشمیر کے تمام مسلمانوں کی جذباتی وابستگی حاصل کر چکا ہے۔ اس لئے کوئی ایسا اقدام جس سے وہاں کے عوام کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہو ملکی سالمیت اور مفاد عامہ کے خلاف ہے۔

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ

قادیانیت

ایک مستقل مذہب
ایک متوازی امت

قادیانیت کے بارے میں ایک غلط فہمی یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے صدہا دینی وعلمی اختلافات اور مکاتب فکر میں سے ایک دینی وعلمی اختلاف رائے اور ایک خاص مکتب فکر ہے اور اس کے پیروامت اسلامیہ کے مذہبی فرقوں اور جماعتوں میں سے ایک مذہبی فرقہ اور جماعت ہیں اور یہ اسلام کی کلامی وفقہی تاریخ کا کوئی انوکھا واقعہ نہیں۔

لیکن قادیانیت کا تحقیقی وتنقیدی مطالعہ کرنے سے یہ غلط فہمی اور خوش گمانی دور ہو جاتی ہے۔ اور ایک منصف مزاج انسان اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ قادیانیت ایک مستقل مذہب اور قادیانی ایک مستقل امت ہیں جو دین اسلام اور امت اسلامیہ کے بالکل متوازی چلتے ہیں۔ اور اس کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ مرزا بشیر الدین محمود صاحب کے اس بیان میں کوئی مبالغہ اور غلط بیانی نہیں کہ "حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ میرے کانوں میں گونجتے رہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

"یہ غلط ہے کہ دوسرے لوگوں سے ہمارا اختلاف صرف وفات مسیح یا اور چند مسائل میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ غرض کہ آپ نے تفصیل سے بتایا کہ ایک ایک چیز میں ہمیں ان سے اختلاف ہے۔"

۱؎ خطبہ جمعہ مرزا بشیر الدین محمود صاحب مندرجہ اخبار "الفضل" مورخہ ۳۰ جولائی ۱۹۳۱ء

اور یہ کہ :-

"حضرت خلیفہ اول نے اعلان کیا تھا کہ ان کا (مسلمانوں کا) اسلام اور ہے اور ہمارا اور ہے" [1]

اسلام کی تاریخ میں اس سے پہلے ایک اور تحریک کی نظیر ملتی ہے، جس نے اسلام کا نام لیتے ہوئے اور اپنے دائرہ عمل کو مسلمانوں کے اندر محدود رکھتے ہوئے اسلام کے نظام عقائد و افکار اور نظام زندگی کے بالکل متوازی ایک نظام اعتقاد و فکر اور ایک نظام زندگی کی بنیاد ڈالی اور اسلام کے دائرہ میں "ریاست اندرون ریاست" کی تعمیر کی کوشش کی۔ یہ تحریک باطنیت ہے یا اسماعیلیت، جس سے قادیانی تحریک کو حیرت انگیز مماثلت حاصل ہے [2]"

قادیانی تحریک کا متوازی مذہبی نظام | قادیانی تحریک اسلام کے دینی نظام اور زندگی کے ڈھانچے کے مقابلہ میں ایک نیا دینی نظام اور زندگی کا نیا ڈھانچہ پیش کرتی ہے۔ وہ دینی زندگی کے تمام شعبوں اور مطالبوں کی بطور خود خانہ پری کرنا چاہتی ہے۔ وہ اپنے پیروؤں کو جدید نبوت، جدید مرکز محبت و عقیدت، نئی دعوت، نئے روحانی مرکز اور مقدسات، نئے مذہبی شعائر، نئے مقتدا، نئے اکابر، نئی تاریخی شخصیتیں عطا کرتی ہے، غرض یہ کہ وہ قلب و دماغ اور فکر و اعتقاد کا نیا مرکز قائم کرتی ہے اور یہی وہ چیز ہے جو اس کو ایک فرقہ اور فقہی یا کلامی دبستان یا مکتب خیال سے زیادہ ایک مستقل مذہب اور نظام زندگی کی شکل عطا کرتی ہے۔ اس کے اندر اس بات کا ایک واضح رجحان پایا جاتا ہے کہ وہ نئی مذہبی بنیادوں پہ ایک نئے معاشرے کی تعمیر کرے اور مذہبی زندگی کو ایک نئی شکل اور مستقل وجود بخشے۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ جو افراد خلوص اور جوش کے ساتھ اس تحریک د دعوت کو قبول کرتے ہیں اور اس کے دائرہ میں آجاتے ہیں۔ ان کے فکر و اعتقاد کا مرکز بدل جاتا ہے اور ان کی زندگی میں قدیم دینی مرکزوں اور اداروں (اپنے وسیع معنی میں) اور شخصیتوں کی جگہ پہ جدید دینی مرکز اور ادارے اور شخصیتیں آجاتی ہیں اور وہ ایک نئی امت بن جاتے ہیں جو اپنے جذبات، طریق فکر، عقیدت و محبت میں ایک مستقل شخصیت اور وجود کے مالک ہوتے ہیں۔ انفرادیت اور تقابل کا یہ رجحان قادیانیت کے اندر شروع سے کام کر رہا ہے اور وہ اب بلوغ و پختگی کے اس درجہ پہ پہنچ گیا ہے کہ قادیانی اصحاب بے تکلفی اور سادگی کے ساتھ اسلامی شعائر و مقدسات کے ساتھ

---

[1] "الفضل" مورخہ ۳۱ دسمبر ۱۹۱۴ء

[2] ملاحظہ ہو "ہمارا اسماعیلی مذہب اور اس کا نظام" از ڈاکٹر زاہد علی پروفیسر نظام کالج حیدرآباد۔

قادیانی شعائر اور مقدسات کا مقابلہ کرتے ہیں اور ان کا ہم پلہ اور مساوی قرار دیتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کو اسلام کے دینی نظام میں جو مرکزی مقام حاصل ہے، وہ ظاہر ہے، لیکن قادیانی اصحاب مرزا صاحب کے رفقاء اور ہم نشینوں کو صحابۂ رسولؐ ہی کا درجہ دیتے ہیں۔ ایک قادیانی ذمہ دار اس ذہنیت کی اسطرح ترجمانی کرتے ہیں :

"ان دونوں گروہوں (صحابۂ کرام اور رفقائے مرزا غلام احمد صاحب) میں تفریق کرنا یا ایک کو دوسرے سے مجموعی رنگ میں افضل قرار دینا ٹھیک نہیں۔ یہ دونوں فرقے درحقیقت ایک ہی جماعت میں ہیں، صرف زمانہ کا فرق ہے۔ وہ بعثتِ اول کے تربیت یافتہ ہیں اور یہ بعثتِ ثانیہ کے" (الفضل ۲۸ مئی ۱۹۰۸ء)

اسی طرح وہ مرزا غلام احمد صاحب کے مدفن کو مرقدِ رسولؐ اور گنبدِ خضرا کا مماثل و شبیہ بتاتے ہیں۔ الفضل نے ۱۰ دسمبر ۱۹۲۲ء کی اشاعت میں قادیان کے شعبۂ تربیت کا یہ بیان شائع کیا تھا جس میں ان شرکائے جلسہ کی دینی بے حسی اور بدذوقی کی شکایت کرتے ہوئے جو قادیان حاضر ہونے کے باوجود مرزا صاحب کے مدفن پر حاضری نہیں دیتے، کہا گیا ہے :

"کیا حال ہے اس شخص کا جو قادیان دارالامان میں آئے اور دو قدم چل کر مقبرۂ بہشتی میں حاضر نہ ہوا۔ اس میں وہ روضۂ مطہرہ ہے جس میں اس خدا کے برگزیدہ کا جسم مبارک مدفون ہے جسے افضل الرسل نے اپنا اسلام بھیجا اور جس کی نسبت خاتم النبیّین نے فرمایا : یُدْفَنُ مَعِیْ فِیْ قَبْرِیْ۔ اس اعتبار سے مدینہ منورہ کے گنبدِ خضرا کے انوار کا پورا پرتو اس گنبدِ بیضا پر پڑ رہا ہے، اور آپ گویا ان برکات سے حصہ لے سکتے ہیں۔ جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرقدِ منور سے مخصوص ہیں۔ کیا ہی بدقسمت ہے وہ شخص جو احمدیت کے حج اکبر میں اس تمتع سے محروم رہے" (الفضل جلد ۱۰ نمبر ۴۸)

قادیانی اصحاب اس دینی و روحانی تعلق کی بناء پر جو نئی نبوت اور نئے اسلام کا مرکز ہونے کی بناء پر قادیان کیساتھ قائم ہوتا ہے۔ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ قادیان اسلام کے مقاماتِ مقدسہ میں سے ایک اہم ترین اور عظیم ترین مقام ہے اور وہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے ساتھ قادیان کا نام لینا ضروری سمجھتے ہیں۔ مرزا بشیر الدین محمود صاحب نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا :

"ہم مدینہ منورہ کی عزت کر کے خانہ کعبہ کی ہتک کرنے والے نہیں ہو جاتے اسی طرح ہم قادیان کی عزت کر کے مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ کی توہین کرنے والے نہیں بن

سکتے۔ خدا تعالیٰ نے ان تینوں مقامات کو مقدس کیا اور ان تینوں مقامات کو اپنی تجلیات کے اظہار کے لئے چنا۔" (الفضل ۳ ستمبر ۱۹۳۵ء)

خود مرزا غلام احمد صاحب نے قادیان کو سرزمین حرم سے تشبیہ و تمثیل دی ہے، وہ فرماتے ہیں:—

زمین قادیاں اب محترم ہے بجوم خلق سے ارض حرم ہے
(درثمین ص ۵۲)

ان کے نزدیک قادیان کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے اور مسجد اقصیٰ سے مراد مسیح موعود کی مسجد ہے۔ منارۃ المسیح کے اشتہار (۲۸ مئی ۱۹۰۰ء) میں آپ نے لکھا ہے:

"جیسا کہ سیر مکانی کے لحاظ سے خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد حرام سے بیت المقدس تک پہنچا دیا تھا۔ ایسا ہی سیر زمانی کے لحاظ سے آں جناب کو شوکت اسلام کے زمانہ سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تھا، برکات اسلامی کے زمانہ تک جو مسیح موعود کا زمانہ ہے۔ پہنچا دیا۔ پس اس پہلو کی رو سے جو اسلام کے انتہائے زمانہ تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سیر کشفی ہے۔ مسجد اقصیٰ سے مراد مسیح موعود کی مسجد ہے جو قادیان میں واقع ہے، جس کی نسبت براہین احمدیہ میں خدا کا کلام یہ ہے مبارک ومبارک وکل امر مبارک یجعل فیہ۔ اور یہ مبارک کا لفظ جو بصیغہ مفعول اور فاعل واقع ہوا۔ قرآن شریف کی آیت بارکنا حولہ کے مطابق ہے پس کچھ شک نہیں جو قرآن شریف میں "قادیان" کا ذکر ہے۔" (تذکرہ یعنی مجموعہ وحی مقدس ص ۲۴۵، ۲۴۲)

ان سب بیانات اور قادیان کے بارے میں اعتقادات کا منطقی اور طبعی نتیجہ یہی ہونا چاہئے تھا کہ اس کے لئے شدّ رحال کر کے سفر کرنے اور وہاں سال بسال حاضر ہونے کو حج ہی کا سا ایک مقدس عمل بلکہ ایک طرح کا حج سمجھا جانے لگے۔ چنانچہ قادیانیت کے رہنماؤں اور ذمہ داروں نے سفر قادیان کو ظلی حج کا لقب دیا ہے اور اس کو ان لوگوں کے لئے جو خانہ کعبہ کے حج کو نہ جاسکیں، حج اسلام کا "حج بدل" قرار دیا ہے۔ مرزا بشیر الدین محمود صاحب نے اپنے ایک خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا:

"چونکہ حج پر وہی لوگ جا سکتے ہیں جو مقدرت رکھتے اور امیر ہوں حالانکہ الٰہی تحریکات پہلے غرباء میں پھیلتی اور پنپتی ہیں اور غرباء کو حج سے شریعت نے معذور رکھا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایک اور ظلی حج مقرر کیا تا وہ قوم جس سے وہ

اسلام کی ترقی کا کام لینا چاہتا ہے۔ اور تا وہ غریب یعنی ہندوستان کے مسلمان اس میں شامل ہو سکیں۔" (الفضل یکم دسمبر ۱۹۳۲ء)

اس بارے میں اتنا غلو ہونے لگا کہ قادیان کے سفر کو حج بیت اللہ پر ترجیح دی جانے لگی اور یہ اس ذہنیت کا لازمی و قدرتی نتیجہ ہے کہ قادیانیت ایک زندہ اور جدید مذہب —— —— اور اس کا مرکز ایک زندہ اور جدید مذہب کا روحانی مرکز بھی ہے جس سے نئی زندگی اور نئی مذہبی توانائی حاصل کی جا سکتی ہے۔ اسی بنا پہ ایک قادیانی بزرگ نے ارشاد فرمایا کہ:

"جیسے احمدیت کے بغیر، پہلا یعنی حضرت مرزا صاحب کو چھوڑ کر جو اسلام باقی رہ جاتا ہے، وہ خشک اسلام ہے۔ اسی طرح اس حج ظلی کو چھوڑ کر مکہ والا حج بھی خشک حج رہ جاتا ہے، کیونکہ وہاں پر آجکل حج کے مقاصد پورے نہیں ہوتے۔"

(پیغام صلح جلد ۲۱ نمبر ۲۲)

انفرادیت کا رجحان اور ایک مستقل دین اور نئی تاریخ کے آغاز کا احساس اتنا بڑھ گیا کہ قادیانی حضرات نے اپنی نئی تقویم کی بنیاد ڈال دی اور سال کے مہینوں کے نئے ناموں سے تاریخ لکھنے لگے۔ قادیانیت کے سرکاری ترجمان "الفضل" میں مہینوں کے جو نام چھپتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

صلح، تبلیغ، امان، شہادت، ہجرت، احسان، وفا، ظہور، تبوک، اخاء، نبوت، فتح۔

خالص ہندوستانی مذہب ہونے کی حیثیت سے قادیانیت کا خیر مقدم

ان مذہبی تصورات اور انفرادیت کے رجحانات کا نتیجہ یہ ہے کہ مذہب و تحریک قادیانیت کا ذہنی، روحانی و سیاسی مرکز بجائے جزیرۃ العرب اور مکہ معظمہ و مدینہ طیبہ کے (جو اسلام کا گہوارہ اور اس کی زندگی کا سرچشمہ اور ابدی مرکز ہیں) قادیان بننے لگا جو اس نئے مذہب و تحریک کے ظہور اور نشو و نما کا مرکز ہے۔ اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوگا کہ قادیانیت اور اس کے پیروؤں کی وابستگی عرب و حجاز سے روز بروز کم ہوتی چلی جائے گی اور اس کی دلچسپیاں اور توجہات ہندوستان میں محدود ہونے لگیں گی جس کی سرزمین سے یہ دعوت و تحریک اٹھی اور جس کی خاک سے اس کا بانی اور داعی پیدا ہوا، اور بالآخر اسی میں نشو و نما پاکر اور اپنی زندگی کی منزلیں طے کر کے دفن ہوا۔ یہ اس آغاز اور طریق فکر کا قدرتی نتیجہ ہے جو اپنے وقت پہ ظہور پذیر ہوگا اور جس طرح درخت کے پھل پر کسی کو تعجب نہیں ہونا چاہئے۔ اس تحریک و دعوت کے مزاج اور اس کے طریق کار کے اس منطقی نتیجہ پر بھی تعجب کا کوئی موقع نہیں —— قادیانیت کے اسی مزاج اور اس کے اس رخ کا ہندوستان کے ان قوم پرستوں نے پر جوش خیر مقدم کیا جن کو ہندوستان کے مسلمانوں سے یہ پرانی شکایت ہے کہ ان کی اصل وابستگی سرزمین حجاز سے ہے اور وہ ہمیشہ عرب کی طرف دیکھتے ہیں۔

مولانا کوثر نیازی
وزیر اطلاعات و نشریات

قادیانیت

ہمارے ملی استحکام پر ضرب کاری اور انتشار کا باعث ہے

اب کسی مدعی نبوت پر ایمان لانے والا ہی نہیں
بلکہ دلیل طلب کرنیوالا بھی کافر ہے

آزاد کشمیر اسمبلی کی قادیانی غیر مسلم اقلیت ہونے کی قرارداد کی توثیق کے بعد رونما ہونے والے حالات قومی زندگی کے ہر طبقہ کا موضوع بحث بنے ہوئے ہیں۔ اتفاق سے ان ہی دنوں مرکزی وزیر اطلاعات کے ایک مبہم اخباری اعلان سے کہ "کسی کلمہ گو کو کافر کہنا قابل تعزیر جرم قرار دیدیا جائے گا۔" طرح طرح کے خدشات ابھرے، مگر مقام مسرت ہے کہ محترم مولانا کوثر نیازی صاحب اسلامی لبادہ میں ملبوس دجالی فتنہ قادیانیت (جو ہزار بار کلمہ گو ہونے کی مدعی کیوں نہ ہو) کے بارہ میں نہایت واضح رائے رکھتے ہیں۔ مولانا کا یہ بصیرت افروز مضمون حال ہی میں چھپنے والی ان کی کتاب "بنیادی حقیقتیں" سے لیا گیا ہے۔ توقع ہے کہ محترم مولانا جو اس مسئلہ پر ایسی دو ٹوک قطعی رائے رکھتے ہیں، موجودہ حکومت میں اپنے گہرے اثر و رسوخ رکھنے اور اہم ترین مناصب پر فائز ہونے کے لحاظ سے آزاد کشمیر کی طرح پاکستان میں بھی ختم نبوت کے منکرین کو غیر مسلم قرار دینے کی قانونی اور آئینی جدوجہد میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں گے، اور اسی طرح اپنے اس دینی و ملی فریضہ سے عہدہ برآ ہونے کی کوشش کریں گے جو خاتم النبیین محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک غلام امتی کی حیثیت سے ان پہ عائد ہوتا ہے۔ اگر وہ اس آزمائش سے کامیاب ہو کر نکلے تو یقیناً بارگاہِ خداوندی کی خوشنودی اور بارگاہِ رسالت کی سرخروئی سے سرفراز ہو سکیں گے۔

"سبیح الحق"

حضور سرورِ کونین و مکان صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا موضوع اس وقت تک تشنہ ہے جب تک یہ واضح نہ ہو جائے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ اور آپ کے بعد کوئی نبی اور رسول

نہیں جائے گا۔ یہ وہ اساس ہے جس نے نسل، رنگ اور وطن کے امتیازات کو ختم کر کے خدا اور رسول پر ایمان لانے والوں کو بھائی بھائی بنا دیا ہے۔ یہ عقیدہ اس امر کا اعلان ہے کہ خدا کی طرف سے انسانیت کو جو رہنمائی اور ہدایت ملنی تھی وہ مل چکی، جن عقائد و اعمال سے کفر لازم آتا ہے وہ بتائے جا چکے اور جن خصوصیات سے اہل ایمان کی پہچان ہوتی ہے ان کی صراحت اور وضاحت کر دی گئی۔ آپ کی تعلیمات کے علاوہ اب کسی نئی تعلیم پر ایمان لانا ضروری نہیں۔ اور نہ کسی فرد کے ماننے یا نہ ماننے پر کفر اور اسلام کا دار و مدار ہے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ حضورؐ کے بعد بھی کسی نبی کے آنے کی گنجائش ہے۔ دراصل ہمارے ملی استحکام پر ضرب کاری لگاتا ہے۔ ہماری صفوں میں پراگندگی اور انتشار پیدا کرنا چاہتا ہے اور اس اساس کو ختم کرنے کے درپے ہے جس پر اسلام کا عالمگیر نظریۂ اخوت مبنی ہے۔

عقیدۂ ختم نبوت کی یہی وہ اہمیت ہے جس کے پیش نظر ہمارے دین میں اسے اتنا اونچا مقام دیا گیا ہے کہ اگر کوئی آدمی حضورؐ پر ایمان لائے۔ لیکن آپ کے آخری نبی ہونے کا قائل نہ ہو تو اسلامی معاشرہ میں اور خدا کے حضور۔ دونوں جگہ۔ اس کے ایمان اور اسلام کو لائق اعتبار نہیں سمجھا جاتا۔ حضورؐ کی بعثت کو چودہ صدیاں ہو چکی ہیں۔ لیکن ہر دور اور دور کے ہر حصہ میں مسلمانوں نے ختم نبوت کو اپنے اعتقاد کی جان سمجھا ہے ہمارے سلف تو اس معاملے میں اتنے سخت تھے کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے زمانے میں جب ایک آدمی نے نبوت کا دعویٰ کیا تو حضرت امام نے فتویٰ دیا کہ یہی نہیں کہ مدعی نبوت پر ایمان لانے والا کاذب ہے بلکہ جو شخص اس کاذب سے اس کے نبی ہونے کی دلیل طلب کرے گا وہ بھی کافر ہے۔

خدانخواستہ اگر اسلام دین کامل نہ ہوتا اور دنیا کے ہر حصے میں ترقی پذیر معاشرہ کا ساتھ نہ دے سکتا تو کسی نئے نبی کی ضرورت سمجھ میں آسکتی تھی، لیکن جب حضورؐ پر دین کی تکمیل کر دی گئی، جب پروردگار نے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ۔ کہہ کر دین کی تکمیل کا فیصلہ صادر کر دیا تو پھر بات ہی ختم ہو جاتی ہے۔ خود آنحضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے خاتم النبیین ہونے کی حقیقت بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمائی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا:

> "میری اور انبیائے سابقین کی مثال ایک محل کی سی ہے جس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی ہو۔ لوگ اسے دیکھیں اور تعجب کریں کہ اس محل میں ایک اینٹ کی جگہ کیوں خالی چھوڑ دی گئی ہے۔؟ حضورؐ نے فرمایا کہ وہ اینٹ میں ہوں۔"

متعصب سے متعصب آدمی بھی اس بات کا اعتراف کرنے پر مجبور ہے کہ حضورؐ اپنی امت پر بیحد شفیق تھے اتنے شفیق کہ ماں باپ کی شفقت بھی اس کے مقابلے میں ہیچ ہے۔ یہ اسی شفقت

کا نتیجہ ہے کہ آپ نے فریضۂ رسالت سے متعلق کسی بات میں ابہام نہیں رہنے دیا۔ ایک ایک چیز کھول کر بیان کی۔ راہ کے سارے پیچ وخم بتائے، آنے والے فتنوں کی نشان دہی کی۔ قرب قیامت کی نشانیوں کا ذکر کیا۔ غرضیکہ ہر ایسے معاملے پر روشنی ڈالی کہ جس سے آپ کی امت کو آگے چل کر واسطہ پڑنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو منصب عظیم عطا فرمایا تھا۔ اس کے تقاضوں کی ادائیگی کے لئے آپ اتنے فکر مند رہتے تھے کہ جب تک حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے ساتھیوں اور پیروکاروں سے یہ اعتراف نہیں کرا لیا کہ :

"ہاں! آپ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا ہے اور یہ فریضہ انجام دے دیا ہے۔"

اس وقت تک آپ کا اطمینان نہیں ہوا۔ غور کرنے کی بات ہے کہ جس پاک ہستی نے ماضی، حال اور مستقبل کے سبھی ضروری گوشے امت پر اجاگر کر دئیے۔ اگر آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا ہوتا تو اسکی اطلاع دینے میں العیاذ باللہ وہ کوئی کوتاہی برت سکتی تھی۔ ؟ آپ سوچیں گے تو آپ کا ایمان گواہی دے گا کہ وہ لوگ جو آپ کے بعد بھی سلسلۂ نبوت کے اجراء کا امکان تسلیم کرتے ہیں۔ دراصل حضورؐ پر یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ آپ نے فرائض رسالت ادا نہیں کئے اور یہ وہ صورت ہے جسے کوئی مسلمان بقائمی ہوش و حواس قبول کرنے کے لئے نہیں ہو سکتا۔

قرآن اٹھا کر دیکھئے کم سے کم سو آیات ایسی مل جائیں گی جن میں کہیں صراحتاً اور کہیں اشارۃً حضور کی خاتمیت کو بیان کیا گیا ہے۔ حدیث کو پڑھیئے تو ایک سو سے زیادہ اسناد سے ختم نبوت کی حدیثیں ہم تک پہنچی ہیں۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی شخص بعید از قیاس تاویلوں، لغو اور مہمل دلیلوں سے عقیدۂ ختم نبوت سے انکار کرتا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ امت میں انتشار پیدا کر کے دشمنانِ اسلام کے ہاتھ مضبوط کرنا چاہتا ہے۔ انجیل نے خوب کہا۔

"جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو جو تمہارے پاس بھیڑوں کے بھیس میں آتے ہیں
مگر باطن میں پھاڑنے والے بھیڑیئے ہیں۔ ان کے پھلوں سے تم انہیں پہچان لوگے
کیا جھاڑیوں سے انگور یا اونٹ کٹاروں سے انجیر توڑتے ہیں۔" (متی باب ۷ آیت ۱۵، ۱۶)

عقیدۂ ختم نبوت کے مضمرات یوں تو بیشمار ہیں لیکن ایک دو باتیں ایسی ہیں جو ہر مسلمان کو اس کے فلسفہ اور پیغام کے طور پر دل و دماغ میں جذب کر لینی چاہئیں۔ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ آخری رسول آجانے کے بعد یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ جس رسول کا عہد رسالت دنیا کے اختتام تک کے لئے مقدر ہو چکا ہے اس کی امت کا منصب قیادت و امامت بھی قیامت تک کیلئے مسلّم ہے۔ رسول آخری رسول ہے، تو امت آخری امت، اب اس کے بعد کسی اور امت کو برپا کرنیکی ضرورت باقی نہیں ہے۔ یہی اب دنیا کی تمام قوموں کو سیدھا راستہ دکھانے پر مامور ہے۔ اور اسی کو زیب دیتا ہے۔ کہ یہ "خاتم اقوام" ہونے کا تاریخ ساز فضیلت پر رکھے۔

قادیانی "مصلح موعود" اور الہامات مرزا

زاہد شاہین، ایم اے

ہر سال ۲۰ فروری کو قادیانی یوم مصلح موعود مناتے ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانیوں کی پیش گوئیوں اور ان کے الہامات کی بنا پر قادیانی خلیفہ مرزا محمود نے بقول ان کے خدا سے اطلاع پاکر مصلح موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ مرزا صاحب کی اس پیش گوئی کا پس منظر یہ ہے کہ ۱۸۸۴ء میں انہوں نے میر ناصر نواب کی بیٹی نصرت جہاں سے بیاہ کیا اور اسے ام المومنین کے لقب سے نوازا اور اپنی پہلی بیوی کو بیک بینی و دوگوش نکال باہر کیا۔ قادیانی اسے صرف "پھجے دی ماں" (فضل احمد کی والدہ) کہتے ہیں۔ نئی بیوی کے بارے میں مرزا قادیانی نے یہ الہام گھڑا: اشکر نعمتی رئیت خدیجتی۔ (براہین احمدیہ ص ۵۵۸)

یعنی میرا شکر کر کہ تو نے میری خدیجہ کو پایا۔

۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو مرزا قادیانی نے ایک پیش گوئی شائع کی جس میں ایک موعود لڑکے کی پیدائش کا ذکر تھا۔ اس کو مظہر الحق بتایا گیا۔ اور اس کا آنا خدا کا آنا قرار دیا گیا۔ اور یہ کہا گیا کہ اس کا آنا ایک عظیم نشان ہے۔ یہ لڑکا تین کو چار کرے گا۔ اور ۹ سال کے عرصے میں ضرور پیدا ہوگا۔ جب ۹ سال کے عرصے پر اعتراض ہوا تو مرزا صاحب فرمانے لگے کہ آج ۸ اپریل ۱۸۸۶ء کو اللہ جل شانہٗ کی طرف سے اس عاجز پر اس قدر کھل گیا کہ ایک لڑکا بہت ہی قریب ہونے والا ہے۔ جو ایک مدت حمل سے تجاوز نہیں کر سکتا۔[۱] چونکہ خدا کو مرزا صاحب کی تکذیب منظور تھی اس لئے لڑکی پیدا ہو گئی اور ایک صاحب نبی بخش کو مرزا صاحب کو لکھنا پڑا کہ تم حقیقت میں بڑے فریبی اور مکار اور دروغ گو آدمی ہو۔

۱؎ تبلیغ رسالت جلد اوّل، مؤلفہ میر قاسم علی قادیانی، قادیان، ص ۷۴

اگلے حمل میں مرزا صاحب کی بیوی نے لڑکا جنا جس پر بڑی خوشی منائی گئی۔ اور دبے لفظوں میں اسے موعود لڑکا کہا گیا۔ لیکن سوا سال بعد یہ لڑکا بھی مر گیا۔ اس واقعہ سے بہت سے قادیانی مرتد اسلام لے آئے اور ان پر مرزا صاحب کے جھوٹ کی حقیقت آشکار ہو گئی۔ ان واقعات سے ڈر کر مرزا صاحب نے بڑے محتاط طریقے سے اپنے لڑکوں کا ذکر کیا۔ اور کسی پر مصلح موعود والی پیش گوئی چسپاں نہ کی۔ جب ان کے تین بچے پیدا ہو گئے اور چوتھا بچہ مبارک احمد پیدا ہوا تو انہوں نے تین کو چار کرنے والی پیش گوئی اس پر چسپاں کی اور اپنے کذب پر پردہ ڈالنے کے لئے اسے اجتہاداً پسر موعود قرار دیا۔ لیکن یہ بچہ بھی مرزا صاحب کی زندگی میں مر کر ان کے کاذب ہونے پر مہر ثبت کر گیا۔

مرزا صاحب نے جہاں ایک طرف مصلح موعود کا ذکر کیا وہاں اپنی اولاد کے بارے میں بھی بڑی لاف و گزاف کی۔ فرماتے ہیں ؎

میری اولاد سب تیری عطا ہے ہر اک تیری بشارت سے ہوا ہے

یہ پانچوں جو کہ نسلِ سیدہ ہے یہی ہیں پنجتن جن پر بنا ہے [۱]

اپنے تین لڑکوں اور دو لڑکیوں کو پنجتن بنانے میں مرزا صاحب نے قطعاً باک محسوس نہ کی۔ آپ فرماتے ہیں کہ خدا نے انہیں کہا ہے کہ یہ بیوی تیرے لئے مبارک ہو گی اور تو اس کے لئے مبارک ہو گا۔ اور مریم کی طرح اس سے تجھے نیک اولاد دی جائے گی۔ پس جیسا کہ وعدہ دیا گیا تھا ویسا ہی ظہور میں آیا۔[۲] سراج منیر میں مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ میری اولاد ایک نشان ہو گی "جیسا کہ خدا نے نیک اور بابرکت اولاد کا وعدہ دیا اور پورا کیا"۔[۳] نشانِ آسمانی نامی کتاب میں نعمت اللہ ولیؒ کا ایک شعر ؎

دور او چوں شود تمام بکام پسرش یادگار می بینم

درج کر کے رقمطراز ہیں :

"مقدر یوں ہے کہ خدا تعالیٰ اسکو ایک لڑکا پارسا دے گا جو اس کے نمونہ پر ہو گا۔ اور اس کے رنگ میں رنگین ہو جائے گا۔ اور وہ اس کے بعد اس کا یادگار ہو گا۔ یہ درحقیقت اس عاجز کی پیش گوئی کے مطابق ہے جو ایک لڑکے کے بارے میں کی گئی ہے"[۵]

---

[۱] درِ ثمین، مرزا قادیانی کے اشعار کا مجموعہ

[۲] تریاق القلوب، مرزا غلام احمد قادیانی، طبع قادیان ص۴

[۳] سراج منیر، غلام احمد قادیانی ص۵

[۵] نشانِ آسمانی، مرزا غلام احمد قادیانی ص۲۰

مرزا صاحب کی کتب سے بہت سے حوالہ جات نقل کئے جا سکتے ہیں۔ سردست آئینہ کمالات اسلام کا ایک حوالہ درج کیا جاتا ہے۔ لکھتے ہیں :

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرمائی ہے کہ مسیح موعود شادی کرے گا۔ اور اس کی اولاد ہوگی، اس پیش گوئی میں اس طرف اشارہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ مسیح موعود کو ایک خاص بیٹا نہایت پاکباز بیٹا دے گا۔ اس میں راز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء اور اولیاء کو ہمیشہ اسی اولاد کی بشارت دیتا ہے جن کا صالح اور راستباز ہوتا اس نے پہلے سے ہی مقدر فرما دیا ہو" ؎

قادیانیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ مرزا محمود، پسر موعود تھا۔ خود مرزا محمود نے مصلح موعود ہونے کا دعویٰ بھی کر دیا۔ اور مرزا صاحب کی تحریرات کو اپنی ذات پر چسپاں کرنا شروع کر دیا۔ اس مقام پر ہمیں مرزا قادیانی کے اکذب ہونے میں دو ثبوت ملتے ہیں۔ اول تو خود ان کے پسر موعود کے بارے میں اپنے دعوے اور ان دعووں کے غلط ہونے پر ان کی اپنی شہادتیں اور لغو تاویلیں، دوم قادیانی مصلح موعود کا کردار، اگر غیروں کی نہیں بلکہ معتقد اور سرکردہ قادیانیوں کی ایک دو نہیں ہزاروں شہادتیں مل جائیں جن سے مرزا محمود کے پست کردار ہونے کا ثبوت مل جائے تو اس سے ایک تو باپ پر پوست، بیٹا پر گھوڑا والی مثل درست ثابت ہو جائے گی۔ دوسرے مرزا قادیانی کے جھوٹے الہامات اور ان فریب کارانہ تحریروں کی قلعی کھل جائے گی جس شخص کو اولاد کی پاکیزگی کے اتنے بڑے دعوے تھے۔ اس کے بطلان کے سامان خدا نے قادیان کی سرزمین سے ہی پیدا کر دئیے۔

مرزا محمود کی ذات پر مرزا قادیانی کی زندگی میں زنا کا الزام لگا۔ مرزا صاحب نے ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا جو ان کے بارے میں رپورٹ دے۔ شرعی حجت پوری کرنے کے لئے چار گواہوں کی ضرورت تھی، مگر پیر کے بیٹے کے خلاف مریدوں کا گواہی دینا ایک کٹھن امر تھا۔ یار لوگوں کے چار گواہ پورے نہ ہونے دئیے ایک گواہ کو قادیان سے کھسکا دیا گیا۔ اور اس طرح یہ بات ثابت نہ ہو سکی اور الزام لگانے والے کو قادیان سے نکال دیا گیا۔ مرزا محمود خلیفہ بنے، بہت سی انگلیاں اور کئی آوازیں اٹھیں۔ اگر ہم مرزا محمود کے کردار کے بارے میں مباہلہ والے قادیانیوں کا لٹریچر پیش کرنا چاہیں۔ تو نہ تو قلم میں اتنی تاب ہے اور نہ ہی اخلاق اسکا متحمل ہے۔ یہ شہادتیں، قسموں، اور حلفیہ بیانوں کا ایک پلندہ ہے۔ اور کردار کی کوئی ایسی خامی نہیں جو مرزا محمود کی شخصیت میں موجود نہ بتائی گئی ہو۔ ایسے ہی اگر ہم حقیقت پسند پارٹی

؎ آئینہ کمالات اسلام، مرزا غلام احمد قادیانی صفحہ ۵۷۹

کے قادیانیوں کے لٹریچر میں بیان شدہ انتہائی گندے اور شرمناک واقعات کو درج کریں تو شرافت آڑے آجائے گی۔ ان سینکڑوں شہادتوں کو پس پشت ڈال بھی دیا جائے تو بھی مرزا محمود کا اپنا ایک خطبہ موجود ہے، جس میں آپ فرماتے ہیں:

"جب میں ولایت گیا تو مجھے خصوصیت سے خیال تھا کہ یورپین سوسائٹی کا عیب والا حصہ بھی دیکھوں مگر قیام انگلستان کے دوران مجھے اس کا موقع نہ ملا۔ واپسی پر جب ہم فرانس آئے تو میں نے چوہدری ظفر اللہ خان صاحب سے جو میرے ساتھ تھے کہا کہ مجھے کوئی ایسی جگہ دکھائیں جہاں یورپین سوسائٹی عریانی سے نظر آسکے وہ بھی فرانس سے واقف تو نہ تھے، مگر مجھے ایک اوپرا میں لے گئے جسکا نام مجھے یاد نہیں رہا۔ اوپرا سینما کو کہتے ہیں۔ چوہدری صاحب نے بتایا کہ یہ اعلیٰ سوسائٹی کی جگہ ہے۔ جسے دیکھ کر آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ان لوگوں کی کیا حالت ہے۔ میری نظر چونکہ کمزور ہے اس لئے دور کی چیز اچھی طرح نہیں دیکھ سکتا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے جو دیکھا تو ایسا معلوم ہوا کہ سینکڑوں عورتیں بیٹھی ہیں میں نے چوہدری صاحب سے کہا کیا یہ ننگی ہیں۔؟ انہوں نے بتایا یہ ننگی نہیں بلکہ کپڑے پہنے ہوئے ہیں مگر باوجود اس کے وہ ننگی معلوم ہوتی تھیں ـــــ اس طرح ان لوگوں کے شام کی دعوتوں کے گاؤن ہوتے ہیں، نام تو ان کا بھی لباس ہوتا ہے، مگر اس میں سے جسم کا ہر حصہ ننگا نظر آتا ہے۔"[۱]

لاہوری مرزائیوں کے پرچے پیغام صلح نے مرزا محمود کے اس فعل پر ان کے خوب لتے لیتے ہوئے[۲] اور آپ کے خطبہ کو بنیاد بنا کر طعن و تشنیع کے تیر برسائے۔ اس قسم کے حوالوں کو اکٹھا کیا جائے تو ایک دفتر جمع ہو جائے گا ہم صرف ایک مصدقہ بیان پر اکتفاء کرتے ہیں جو شیخ عبدالرحمان مصری نے عدالت عالیہ میں دیا۔ آپ اس وقت جماعت لاہور میں شامل ہیں۔ اور ایک سرکردہ قادیانی ہیں ان کی پوزیشن کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ خلیفہ صاحب کے قادیان سے باہر جانے کے بعد ان کو قائم مقام خلیفہ کا درجہ حاصل ہوتا۔ اور بڑے متقی، صاف گو اور جرأت مند سمجھے جاتے تھے۔ مرزا محمود کے کردار کے بارے میں مصری صاحب کا بیان الحاج ممتاز احمد فاروقی مرزائی نے اپنی کتاب فتح حق میں درج کیا ہے:

"موجودہ خلیفہ سخت بدچلن ہے۔ یہ تقدس کے پردے میں عورتوں کا شکار کھیلتا ہے۔ اس کام کے لئے اس نے بعض مردوں اور بعض عورتوں کو بطور ایجنٹ رکھا ہوا ہے۔ ان کے ذریعہ یہ معصوم لڑکوں،

---

[۱] الفضل قادیان، ۲۸ر جنوری ۱۹۳۴ء

[۲] پیغام صلح لاہور، ۱۳ر مارچ ۱۹۳۴ء

اور لڑکیوں کو قابو کرتا ہے۔ اس نے ایک سوسائٹی بنائی ہوئی ہے، جس میں مرد اور عورتیں شامل ہیں۔ اور اس سوسائٹی میں زنا ہوتا ہے[۹]

لاہوری مرزائی ممتاز احمد لکھتا ہے:

"مجھے خوشی نہیں بلکہ سخت افسوس ہے کہ میاں صاحب (مرزا محمود) پر ایسے الزام لگے جن سے قادیان کا اور ضمناً حضرت مسیح موعود کا نام بدنام ہوا۔ اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو جب مولوی عبدالکریم صاحب مباحلہ والے نے الزام لگایا تھا۔ اور ان سے حلف کا مطالبہ کیا تھا کہ اگر انہوں نے اس فعل کا ارتکاب نہیں کیا تو وہ قسم کھالیں میں اپنی خاطر نہیں تو قادیان اور حضرت مسیح موعود کے نام کی خاطر الزام کو جھوٹا جاننے کی صورت میں فوراً حلف اٹھالیتا، یہ بریت کا سیدھا طریق تھا، جسے میاں صاحب نے اختیار نہ کیا مصری صاحب نے جب ایسا ہی الزام لگایا تو گو ان کا مطالبہ اس سے مشکل تھا مگر اس تشہیر و تذلیل کے مقابل میں جو ہو رہی ہے۔ یہ بھی کوئی بڑا مطالبہ نہ تھا۔ آخر مطالبہ تو اسی قدر تھا کہ ایک ہزار کمیشن کے ذریعے سے تحقیقات ہو جائے، ظاہر ہے کہ اس کمیشن میں میاں صاحب کے مرید ہی ہوتے اور ان پر یہ بدگمانی نہ ہو سکتی تھی کہ وہ بغیر کسی شہادت کے پیر کے خلاف غلط فیصلہ دیں گے۔ بلکہ ان کا فیصلہ وہی ہوتا جواب بھی ہے کہ اگر ہم میاں صاحب کو کوئی بڑا کام کرتا دیکھیں تو اپنی آنکھوں کو جھوٹا سمجھیں گے تو یہ سیدھا طریق بریت اختیار کرنے سے گھر کے اندر ایک فیصلہ ہو جاتا اور اس ساری ذلت سے ایک جماعت بچ جاتی"[۱۰]

مرزا محمود کے افعال و کردار کے بارے میں ان کے قریبی رشتہ داروں، مریدوں اور دوستوں کی وہ تمام شہادتیں ہیں کہ مرزا قادیانی کے الہامات کے مجموعہ تذکرہ سے بھی ان کی ضخامت بڑھ جاتی ہے۔ قادیانیوں کی ان شہادتوں کو سچا مانا جائے جن کو مؤکد بعذاب، حلف حتمیں اور مباہلے کی للکاروں کے ساتھ پیش کیا گیا ہے تو معلوم ہوگا کہ ان کے اولاد کے بارے میں الہامات جھوٹے اور ہوائے نفس پر مبنی تھے اور ان کے پسر موعود کے مبینہ کردار نے ان کی قلعی کھول کر رکھ دی۔ اور ان کے کاذب ہونے پر ایسی حجت قائم کر دی جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بطور دلیل پیش کی جاتی رہے گی۔

---

[۹] نیم حق، مولفہ الحاج ممتاز احمد فاروقی مرزائی، شائع کردہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور ۱۹۶۵ء ص۳

[۱۰] نیم حق ص۴

قسط ۲

مسودۂ دستور میں

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق

کی

ترمیمات

مسودۂ دستور کے باب نہم تک علماء ارکان اور حزب اختلاف کی اہم ترامیم کا تفصیلی ذکر گذشتہ شمارہ میں آگیا ہے اس ضمن میں باب نہم تک شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ممبر قومی اسمبلی کی ترامیم کا بھی اجمالاً ذکر آچکا ہے مضمون کی تکمیل کی خاطر ہم بقیہ ابواب میں صرف شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی داخل کردہ باقی ترمیمات پیش کرتے ہیں۔ (ادارہ)

★

آئین میں ترمیمی بل | آئین کے باب ۱۲ دفعہ ۲۳۹ میں آئین میں ترمیمی بل کی منظوری کے لئے اسمبلی کی کل رکنیت کے کم از کم دو تہائی ووٹوں کی شرط لگائی ہے۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق کی ترمیم ۱۷۵۳ میں کہا گیا کہ دو تہائی کی بجائے سادہ اکثریت کافی ہونی چاہیئے۔

مسلح افواج | مسودہ آئین کی مسلح افواج سے متعلق دفعہ ۲۴۳ میں افواج کے مسلح دستوں کی تقرری وغیرہ کا اختیار وزیر اعظم کو دیا گیا تھا۔ مولانا عبدالحق مدظلہ نے اپنی ترمیم ۱۷۸۵ میں کہا تھا کہ اس دفعہ کی شق ۲ میں وزیر کا ایسا اختیار قومی اسمبلی کے مشورہ کے تابع ہونا ضروری ہے۔

افواج کے سربراہوں کا مسلمان ہونا لازمی ہو | بری، بحری اور فضائی افواج کے چیف آف سٹاف کا ذکر مذکورہ دفعہ کی شق ۳ ب میں کیا گیا ہے۔ جیسا کہ مولانا عبدالحق اور دیگر حضرات ابتداء ہی سے ایسے اہم کلیدی مناصب کے لئے مسلمان کا بطور لازمی شرط شامل کرانے پہ زور دے رہے تھے۔ یہاں بھی مولانا نے اپنی ترمیم ۱۷۸۸، ۱۷۸۹ میں یہ اضافہ کرانا چاہا کہ

(چیفس آف سٹاف لازماً مسلمان ہوں گے) اس طرح یہ لوگ جدول سوم میں مندرج عبارت کی بجائے ان الفاظ سے اپنے حلفِ وفاداری کا آغاز کریں جو صدر اور وزیر اعظم کے مسلمان ہونے کی تعریف کے طور پر شامل ہیں۔

تنخواہوں وغیرہ میں سادگی اور کفایت شعاری

دفعہ ۲۵۰ میں صدر، وزراء مملکت، گورنر اسمبلیوں کے ارکان وغیرہ کی تنخواہوں، بھتہ جات اور دیگر مراعات کے بارہ میں کہا گیا تھا کہ یہ سب چیزیں آئین کے یوم آغاز سے قبل مستحق ہونے کے برابر ہوں گی۔ ظاہر ہے کہ نوکر شاہی نظام سے چلی آ رہی رعائتیں اور تنخواہوں کا ایک ترقی پذیر غریب ملک متحمل نہیں۔ اسکو برقرار رکھنے کی مخالفت کرتے ہوئے مولانا عبدالحق مدظلہ نے ۱۸۱۴ کے ذریعہ یہ ترمیم پیش کرنا چاہی کہ یوم آغاز سے قبل مستحق ہونے کی بجائے یہ لکھا جائے کہ تنخواہوں وغیرہ کا (تعین ملک کی معیشت اور عام شہریوں کے سادہ معیارِ زندگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے کیا جائے گا۔) اسی طرح سینٹ اور وزیر اعظم وغیرہ کی تنخواہوں کے تعین کا معاملہ صدر کو بذریعہ فرمان دیا گیا ہے۔ مولانا نے ترمیم ۱۸۱۵ میں یہ اضافہ کرانا چاہا تھا کہ (ایک فلاحی اسلامی مملکت کے عام شہریوں کے سادہ معیارِ زندگی اور معیشت کے محدود وسائل ملحوظ رکھتے ہوئے صدر اسکا تعین کرے)

اردو زبان

۲۵۱ میں اردو کو بحیثیت قومی زبان اپنانے کے لئے پندرہ برس کی طویل اور صبر آزما مدت مقرر کی گئی ہے۔ مولانا عبدالحق نے اپنی ترمیم ۱۸۲۰ میں پندرہ سال کی بجائے تین سال درج کرانا چاہا تاکہ انگریزوں کے عہد غلامی کے اس طوق سے جلد جان خلاصی ہو سکے۔ جو انگریزی زبان کی شکل میں ہماری تہذیبی اقدار، تمدن اور ثقافت کے مفلوج کر دینے کا باعث چلا آ رہا ہے۔

عربی زبان کی ترویج

اسی دفعہ کے ضمن میں قومی زبان کے ساتھ صوبائی زبانوں کی ترویج و ترقی کا بھی ذکر تھا۔ مولانا عبدالحق کی رائے میں قومی اور علاقائی زبانوں کے ساتھ ساتھ بحیثیت مسلمان قوم کے عربی کی ترویج و ترقی بھی ایک اسلامی سٹیٹ کا دینی ملی اور سیاسی فریضہ ہونا چاہیئے تھا گو (آپ نے بنیادی پالیسی کے رہنما اصولوں میں بھی عربی کے فروغ پر زور دیا تھا مگر یہاں آئین کے اس بنیادی حصہ میں بھی آپ نے اس پر ترمیم ۱۸۲۴ میں اس طرح زور دیا کہ ۲۵۱ میں حسب ذیل نئی شق کا اضافہ کیا جائے (۴) چونکہ عربی زبان اسلامی ممالک اور اسلامی قانون سازی وغیرہ میں اہم ترین مقام رکھتی ہے۔ اور بین الاسلامی اتحاد کی اساس ہے اس لئے مملکت کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ عربی زبان کو غیر ملکی زبانوں

پر فوقیت دیتے ہوئے اسکی تعلیم و ترویج کے لئے فوری طور پر موثر اقدامات کرے ۔)

تحدید ملکیت اراضی اسلام کے منافی ہے دفعہ ۲۵۳ رقبہ اراضی کی ملکیت پر تحدید سے متعلق املاک کے جبری ضبط کی طرح تحدید ملکیت کا تصور بھی اسلام کے اساسی تصورات کے منافی ہے ۔ پس جسطرح جائداد سے متعلق دفعہ ۲۲ میں آپ نے ایسی باتوں کی تقریر اور ترامیم میں مخالفت کی یہاں بھی اس دفعہ کو حذف ہی کر دینے پر زور دیا ۔ یہ ترمیم اسمبلی کے دئیے گئے نمبر ۱۸۲۶ کے تحت ایوان کی میزوں پہ سامنے آئی ۔

نظریۂ پاکستان کی توضیح آئین کے حصہ ۱۲ باب پنجم آئینی الفاظ ، اصطلاحات عہدوں اور مناصب کی توضیحات سے متعلق ہے ۔ پاکستان کی سلامتی ، شخص اور صدر جیسے واضح الفاظ کی تشریح بھی کی گئی ہے ۔ جو مناسب بھی ۔ مولانا عبدالحق مدظلہ نے اس میں بعض ضروری اضافے یہ کرانا چاہے ۔ کہ " اسلامی نظریہ پاکستان" کی اصطلاح بھی آئینی توضیح کے دائرہ میں آنا چاہئے جو بلا ضرورت اکثر وجہ نزاع اور موضوع بحث بنا دیا جاتا ہے ۔ اور جسکی غلط تعبیر و تشریح کی وجہ سے پاکستان کی اساس ہی مجروح کرانے کی کوششیں ہوتی ہیں ۔ اگر آئین میں یہ ترمیم شامل ہو جاتی تو اقتصادی ، معاشی ، جغرافیائی عوامل کو قیام پاکستان کے اسباب قرار دینے کے غلط دعاوی کا سلسلہ ختم ہو جاتا مولانا عبدالحق کی ترمیم ۱۸۵۰ میں کہا گیا تھا ۔ (مسودہ کی دفعہ ۲۶۰ کی شق (۱) میں حسب ذیل توضیح درج کی جائے ۔

اسلامی نظریہ (قیام پاکستان کی بنیاد) سے مراد وہ دو قومی نظریہ ہے جو ایک خالص اسلامی ریاست کے مقاصد کے پیش نظر تقسیم ملک کا ذریعہ بنا اور جسکی تعبیر قیام پاکستان کے وقت پاکستان کے معنی لا الہ الا اللہ سے کی جاتی تھی ۔)

مسلمان کی تعریف اسی طرح اس باب میں اقلیتی فرقوں کی توضیح کی گئی ہے ۔ مولانا عبدالحق مدظلہ نے وزیر مملکت کی تعریف کے بعد مسلمان کی تعریف سے متعلق اضافہ کرانا ضروری سمجھا مسلمان کی تعریف کا مسئلہ صراحت کئے بغیر جب صدر اور وزیر اعظم کے حلف کے ضمن میں طے ہی کر دیا گیا تو پھر یہاں بھی توضیحات کی ضمن میں مسلمان کی تعریف و توضیح ضروری تھی ۔ مولانا عبدالحق نے ۱۸۵۵ میں یہ اضافہ کرانا چاہا کہ ("مسلمان" سے مراد وہ شخص ہے جو مذکورہ ذیل عقائد پر ایمان رکھتا ہو وحدت توحید قادر مطلق اللہ تبارک و تعالیٰ کتب الہٰیہ جن میں قرآن پاک خاتم الکتب (آخری کتاب) ہے نبوت حضرت محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت خاتم النبیین جن کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا اور قرآن و سنت کے تمام مقتضیات اور ضروریات دین) یہاں تو یہ ترمیم نہ آسکی مگر علماء کرام اور حزب اختلاف کی تمام

پارٹیوں کے متفقہ مساعی سے اسمبلی کے پہلے ہی اجلاس میں متفقہ تعریف پیش نہ کر سکنے کے چیلنج کے جواب میں تمام اکابر علماء اسمبلی کے مشورہ اور تجویز سے یہی تعریف مولانا عبدالحق مدظلہ نے اپنی تشریحی تقریر کے ساتھ پیش فرمائی جو بعد میں آئینی کمیٹی میں حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مولانا شاہ احمد نورانی، پروفیسر غفور احمد اور دیگر ارکان کی مساعی سے صدر اور وزیر اعظم کے حلف کے لئے منوائی گئی جس پر آج مسلمانوں کی سواد اعظم خوش اور مرزائی دجالوں کا ٹولہ سیخ پا ہے۔ واللہ متم نورہ ولو کرہ الکفرات۔

سود | اسی باب میں پنشن کی توضیح میں (سود کے ساتھ یا بلا سود) الفاظ آئے ہیں۔ ایک اسلامی آئین میں سود کا ذکر تک بھی مناسب نہیں جبکہ سودی نظام کی حوصلہ شکنی اور انسداد پالیسی کے دھروں میں شامل ہے۔ اس غرض سے مولانا کی ترمیم ۱۸۳ یہ تھی کہ ان الفاظ کو حذف کر کے اضافہ یا بلا اضافہ پر اکتفا کیا جا سکے۔

ہجری نظام تقویم | دفعہ ۲۶۰ میں کہا گیا ہے کہ آئین کی اغراض کیلئے کسی مدت کا شمار گریگری نظام تقویم (عیسوی سنہ) کے مطابق ہوگا۔ عیسائیوں اور غیر اقوام کے تمام طور طریقوں سے جان چھڑانا کسی اسلامی مملکت کا بنیادی فریضہ ہوتا ہے۔ مگر یہاں کتنے ہیں جنہیں اسلامی نظام تقویم کے ابجد تک بھی معلوم ہوں۔؟ مولانا عبدالحق مدظلہ نے ترمیم داخل کرائی کہ گریگری نظام تقویم کی بجائے اسلامی ہجری نظام تقویم ہونا چاہئے ترمیم ۱۸۶۷

قوانین صدر کو تحفظ | دفعہ ۲۶۹ میں ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء تا ۲۰ اپریل ۱۹۷۳ء جاری کردہ تمام اعلانات فرامین صدر قوانین ایکٹوں وغیرہ کے جائز ہونے اور ان کے جواز کو کسی عدالت میں زیر بحث نہ لائے جا سکنے کا ذکر ہے جو اسلام کے نظام عدل اور جمہوریت کے سراسر منافی ہے۔ مولانا نے اپنی ترمیم ۱۸۸۲ ۱۸۸۴ میں اس صریح غیر جمہوری اور غیر اسلامی دفعہ کے حذف پر زور دیا ہے۔

مارشل لا کے احکام | دفعہ ۲۷۰ بھی اس سے ملتی جلتی ہے یہاں کہا گیا ہے کہ صدر اور مارشل لاء کے بعض احکام کسی عدالت کے کسی فیصلہ کے باوجود ہمیشہ کے لئے جائز متصور ہوں گے۔ یہ چیز عدلیہ اور عدالتوں کی روح کو بری طرح متاثر کرتی ہے۔ مولانا عبدالحق اور مولانا مفتی محمود مدظلہ کی مشترکہ ترمیم ۱۹۰۱ میں کہا گیا تھا (کسی عدالت کے فیصلہ کے باوجود کی بجائے کسی عدالت کا فیصلہ نہ ہونے) ہونا چاہئے اور ایسے احکام کو کسی عدالت میں زیر بحث نہ لایا جا سکنے سے متعلق دفعہ کی عبارت حذف کرنے کا کہا گیا۔

جدول اول کو تحفظ | مسودہ میں جدول اول کو بنیادی حقوق کی دفعہ ۸ کے نفاذ سے مستثنیٰ قرار دے کر بعض ایسے قوانین صدر، آرڈیننس وغیرہ کو دائمی تحفظ دیا گیا جن میں بعض صریح غیر اسلامی اور غیر جمہوری ہیں۔ ایسا نہ بھی ہوتا تب بھی ایک خود مختار اسمبلی کی منظوری کے بغیر سیاہ دور کی بجائے قوانین کو تحفظ دینا اسلامی اور جمہوری روح سے قطعاً منافی بات تھی، حزب اختلاف کے تمام ارکان جمعیۃ العلماء اسلام کے تمام ارکان اس حصہ کے حذف کرانے پر زور دیا تاکہ یہ باتیں دفعہ ۸ کے تحت اسمبلی میں زیر بحث لاکر بنیادی حقوق کے دائرہ میں لائی جاسکیں۔ یہ ترمیم مفاہمت کے دوران اسی حد تک منظور ہوئی کہ دو سال کے بعد یہ استثنیٰ ختم ہو جائے گا۔ مولانا عبدالحق کی اس قسم کی ترمیم کا نمبر ۱۹۴ تھا، اور ایسی ہی ترمیم مولانا مفتی محمود اور دیگر ارکان جمعیۃ کے مشترکہ بھی تھی، ملاحظہ ہو ترمیم ۱۹۴۲

عائلی قوانین منسوخ کئے جائیں | مذکورہ آرڈیننسوں میں رسوائے زمانہ مسلم فیملی لاز مجریہ نمبر ۸ ۱۹۶۱ء بھی ہے جس کی ہر مرحلہ پر مخالفت کی گئی اس کے لئے مذکورہ بالا ترمیم کے علاوہ مولانا عبدالحق نے الگ ترمیم ۱۹۲۵ داخل کرائی جس میں عائلی قوانین سے متعلق جدول اول کے حصہ ۲ کے مد ۳ کے حذف کر دینے کا کہا گیا تھا۔ یہی ترمیم مولانا غلام غوث ہزاروی کی تھی (ملاحظہ ہو ۱۹۴۴) جو انہوں نے ایوان میں موجودگی کے دوران پیش کی مگر اکثریتی پارٹی نے مسترد کر دی۔

کلیدی مناصب کے لئے مسلمان ہونا لازمی شرط ہو | جدول سوم میں اہم کلیدی مناصب پر فائز افراد سپیکر، گورنر، چیف جسٹس، چیف آف سٹاف وغیرہ کے حلف وفاداری کے الفاظ کا ذکر کیا گیا ہے۔ مولانا عبدالحق نے ان تمام اہم مناصب کو مسلمان ہونے سے مقید کرانے پر زور دیا تھا۔ اس لئے ایسے مناصب والوں کے حلف میں بھی صدر اور وزیراعظم کے حلف سے معتقدات سے متعلق حصہ کا اضافہ کرانا ضروری تھا، مولانا عبدالحق نے اس حصہ میں جو ترمیمات اس اضافی عبارت کے بارہ میں پیش کیں وہ یہ تھیں:

ترمیم ۱۹۵۳ اسپیکر، ڈپٹی سپیکر، چیئرمین، ڈپٹی چیئرمین کے عہدے کے حلف کے بارہ میں۔

ترمیم ۱۹۵۴ گورنر کے عہدے کے حلف کے بارہ میں۔

ترمیم ۱۹۵۶ چیف جسٹس پاکستان کے بارہ میں۔

ترمیم ۱۹۵۷ کسی بھی عدالت عالیہ کے چیف جسٹس کے بارہ میں۔

ترمیم ۱۹۵۸ چیف الیکشن کمشنر کے بارہ میں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

عالم اسلام اور مسلمانوں کے مسائل

البانیہ کے مسلمان

مرتبہ :- سلیم الحق صدیقی

یورپین ترکی کو چھوڑ کر البانیہ جزیرہ نمائے بلقان میں یورپ کی واحد ریاست ہے۔ جہاں مسلم اکثریت ہے۔ اور مسلمانوں کی اکثریت حنفی المذہب وسنت الجماعت ہے۔ البانیہ کا سرکاری اور قومی نام عوامی جمہوریہ شقی پیریا ہے۔ جو یونان اور یوگوسلاویہ کے درمیان بحیرہ ایڈریاٹک کے کنارے واقع ہے۔ اور گیارہ ہزار ایک سو مربع میل کے علاقہ پر مشتمل ہے۔ اور آبادی بائیس ۲۲ لاکھ کے قریب ہے۔

تاریخ | البانیہ میں اسلام کی شمع پندرویں صدی عیسوی میں روشن ہوئی جب عثمانی ترکوں نے یہ علاقہ فتح کیا۔ اس وقت سے یہ علاقہ خلافتِ عثمانیہ کے زیر اثر رہا۔ یہاں تک کہ یورپ کی عیسائی طاقتوں نے ۱۹۱۲ء میں ایک سازش کے ذریعہ البانیہ کو ایک آزاد ملک بنا دیا۔ اور ایک عیسائی شہزادہ ولیم آف ویڈ کو البانیہ کا بادشاہ مقرر کیا۔ یہ عیسائی بادشاہ چند ماہ بھی حکومت کرنے نہ پایا تھا۔ کہ مسلمانوں نے بغاوت کرکے اسکو ملک سے نکال دیا۔ یہاں تک کہ ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم شروع ہوگئی۔ اور یہ ملک پھر یورپی طاقتوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ بین الاقوامی سیاست کے گورکھ دھندے سے نکلنے کے بعد ۱۹۲۰ء میں البانیہ ایک جمہوری ملک بن گیا۔ ۱۹۲۵ء میں احمد زوگ صدر مملکت بنا۔ اور ۱۹۲۸ء میں شاہ احمد زوگ نے اپنی بادشاہت کا اعلان کیا۔ یہ بادشاہت ۱۹۳۹ء میں اٹلی کے حملے سے ختم ہوگئی۔ اور بیچارا مسلم البانیہ پھر عیسائی طاقتوں کا غلام ہوگیا۔ ۱۹۴۴ء میں جرمنی اور اٹلی کی شکست کے بعد اتحادی طاقتوں کی غلطی و کوتاہی سے جرمنی اور اٹلی کے مفتوحہ علاقوں پر روس نے پیشقدمی کرکے قبضہ کرلیا۔ اور وہاں کمیونسٹ عناصر کی تنظیم جو پہلے سے ہی موجود تھی۔ اسکی آڑ لیکر روس نے بلقان کی بیشتر ریاستوں میں کمیونسٹ حکومتیں قائم

کردیں۔ اسطرح البانیہ کے ایک کیمونسٹ انور ہدا صدر مملکت بنے جن کی خارجہ پالیسی پہلے تو اسٹالن سے دوستی، رعب اور دبدبے کی وجہ سے روس کے ماتحت رہی۔ پھر اسٹالن کی موت کے بعد البانیہ روس کے اثر سے آزاد ہو کر چین کا ایک بہت قریبی دوست بن گیا۔

مذہبی تنظیم | البانیہ کی موجودہ بائیس ۲۲ لاکھ کی آبادی میں سے تقریباً تین چوتھائی مسلمان ہیں۔ اور باقی گریک آرتھوڈاکس (GREEK ORTHODOX) اور رومن کیتھولک کے عیسائی فرقوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ البانیہ کے تمام مسلمان ویسے تو حنفی سنی مسلمان ہیں۔ لیکن پندرہ فیصد کے قریب بختاشی (BEKHTASHI) فرقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو ایک درویشوں کا مسلک ہے۔ ہمارے ملک میں جیسے اہل طریقت کے چار سلسلے ہیں۔ اس طرح اس فرقے میں بھی چار سلسلے بنام قادری، رفعاتی (RAFAI) سعدی (SAADI) اور تجانی (TAJANI) ہیں۔ اور ہر سلسلہ کی اپنی علیحدہ علیحدہ مذہبی تنظیم ہے۔ یہ لوگ اکثر پہاڑوں میں اپنی خانقاہیں بنا کر رہتے ہیں۔ اور رہبانیت سے کافی متاثر ہیں۔ اس فرقہ کا سربراہ دادا یعنی گرینڈ فادر کہلاتا ہے۔

البانیہ جب ۱۹۱۲ میں ایک آزاد ملک بنا۔ تو دارالحکومت ترانہ کا مفتی اعظم تمام البانیہ کا مفتی اعظم اور مسلمانوں کا مذہبی سربراہ مقرر ہوا۔ اور اسکی مدد اور معاونت کے لئے ایک شریعت کونسل تشکیل دی گئی۔ جس کے پانچ ممبر ہوتے تھے۔ اس شریعت کونسل کی ذمہ داری میں مسلم اوقاف کا انتظام مذہبی امور اور مدرسوں کی دیکھ بھال اور شرعی قوانین کی نگہداشت ہوتا تھا۔

۱۹۲۹ء میں شاہ احمد زوگ نے ایک علماء کی جنرل کونسل تشکیل دی۔ جسکے ممبران مختلف علاقوں کے علماء دین ہوتے تھے۔ یہ علماء کی جنرل کونسل مفتی اعظم البانیہ چار نائب مفتی اعظم اور کئی مفتیوں کا چناؤ کرتی تھی۔ یہ چار نائب مفتی اعظم البانیہ کے چار مرکزی بڑے شہروں، شکودر، ترانہ، کورسے، اور جینو کاسٹر میں بیٹھتے تھے۔ اور اپنے اپنے علاقوں میں مسلمانوں کے تمام معاملات طے کرتے تھے۔ اور سابقہ شریعت کونسل کے تمام امور سرانجام دیتے تھے۔

دوسری جنگ عظیم میں اٹلی کی فسطائی حکومت نے البانیہ پر قبضہ کرنے کے بعد مسلمانوں کے مذہبی امور میں بھی مداخلت شروع کر دی۔ یہ لوگ مسلمانوں کا مذہبی اور دینی استحکام بالکل پسند نہ کرتے تھے۔ اور اسکو اپنے لئے خطرہ سمجھتے تھے۔ ۱۹۴۱ء میں علماء کی جنرل کونسل سے فسطائیوں نے مفتی اعظم البانیہ کو معزول کرا دیا۔ اور ۱۹۴۲ء میں بختاشی فرقے کے پیشوا نیازی دادا کو قتل کرا دیا گیا۔ تاکہ مسلمانوں کی مرکزیت ختم ہو جائے۔ اس کے بعد یہی چند ماہ کے لئے البانیہ نازی جرمنی کے قبضہ

میں چلا گیا۔ اور پھر ہٹلر کی شکست فاش کے بعد روسیوں اور یوگوسلاویہ کے مارشل ٹیٹو کی مدد سے انور ہوجا کی زیر کمان کمیونسٹ حکومت قائم ہوگئی۔ جس نے آتے ہی سب سے پہلے البانیہ میں رائج اسلامی قوانین ختم کر دیئے۔ پھر ذرائع پیداوار کو قومیا لیا گیا۔ جس سے مسلم قوت مفلوج ہو کر رہ گئی۔ البانیہ کی حکمران کمیونسٹ پارٹی کے اراکین بھی کیونکہ مسلم گھرانوں میں پیدا ہوئے تھے۔ اور کچھ مسلم اکثریت کو بھی سیاسی طور پر خوش کرنا تھا۔ اس لئے نئے کمیونسٹ دستور کے تحت پھر مفتی اعظم اور جنرل کونسل کی تشکیل دی گئی۔ لیکن اس دفعہ مفتی اعظم اور علماء کی جنرل کونسل کا تقرر حکومت کے اختیار میں دے دیا گیا۔ اس طرح قانونی طور پر مسلمانوں کو اپنے مذہبی امور کے انتظام کا آزادانہ حق نہ رہا۔ اس دستور میں ایک عجیب بات یہ کی گئی کہ جہاں حنفی سنی مسلمانوں کو ایک الگ فرقہ قرار دیا گیا وہاں نقشبندی فرقے کے چار سلسلوں کو بھی علیحدہ علیحدہ چار مذہبی فرقے قرار دیا گیا یعنی قادری، رفاعی، سعدی اور تجانی۔ اور ان کے دادا بھی علیحدہ علیحدہ مقرر کئے گئے

آجکل البانیہ کے مفتی اعظم حافظ سلیمان میرتو ہیں۔ جو دینی مدرسوں کی دیکھ بھال بھی کرتے ہیں۔ اور دینی کتب و رسائل کی نشر و اشاعت کا انتظام بھی کرتے ہیں۔ لیکن سیکولر اور مارکسسٹ نظام تعلیم سے ان کا سخت مقابلہ ہے۔ ان تمام باتوں کے باوجود البانیہ کی روزانہ کی زندگی میں مذہب کا رنگ کافی نمایاں ہے۔ اور نئی نسل میں نماز روزہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ توحید و وحدانیت کا تصور غالب ہے۔ البانیہ میں کمیونزم کی وجہ سے اسلام کا مستقبل تاریک نظر آتا ہے۔ لیکن اسلامی تمدن جو البانوی قوم کی رگ رگ میں سمایا ہوا ہے۔ اسکو ختم کرنا ابھی ممکن نہیں۔ اور نہ ابھی یہ ممکن ہے۔ کہ اکابرین اسلام کی جگہ کارل مارکس۔ اینجلز اور لینن لے سکیں۔

حضرت مولانا محمد اشرف صاحب صدر شعبہ عربی
اسلامیہ کالج پشاور

میری علمی و مطالعاتی زندگی!

حدیث ناگفتنی

سلسلہ ۱۳

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ حسب وعدہ (گو بہت تاخیر سے) مطلوبہ مضمون میری مطالعاتی زندگی "حدیث ناگفتنی" کے عنوان سے بھیج رہا ہوں۔ کہ جو بات سراپا اعتذار و اپنے تک محدود ہونی چاہئے تھی، اس کے اظہار و اعلان سے اپنی کم سوادی کو رسوائے عام کر رہا ہوں۔ بہت سی باتوں سے شاید آپ کا اتفاق نہ ہو، لیکن ع فیما یعشقون الناس مذاھب
اللہ تعالیٰ معاف فرمائے اور اس ریا و نمائش سے درگذر فرمائے اور اس سیاہ کار کی اس سخن طرازی و ہرزہ سرائی کو معاف فرمائے آمین۔ کہ حقیقتاً ہر لحاظ سے صفر ہوں۔ اور دعا کا محتاج ہوں۔ (محمد اشرف ۳/۹۴ ۱۲ھ)

★

اللہ تبارک وتعالیٰ کے فقیر پر جو بے شمار احسانات ہیں ان میں ایک بڑا احسان یہ ہے۔ کہ علم وعمل کی جملہ کوتاہیوں کے باوجود اس کے بہت سے نیک بندے اس بے مایہ سے حسن ظن رکھتے ہیں۔ اس نیک گمانی کا کرشمہ ہے کہ اس شکستہ قلم ابجد ناشناس سے جواں سال و بزرگ خصال صاحب الحق (مولانا سمیع الحق صاحب سلمہ) مدیر ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک نے وہ چند سوال کر ڈالے جن کا مخاطب یہ نااہل کسی صورت میں نہیں۔ اپنی مطالعاتی زندگی کی داستان سرائی پر صرف اس وجہ سے قلم اٹھا رہا ہوں کہ شاید اس تباہ حال کی یہ دماغ نفسی و پریشان حالی کسی کے لئے سبب عبرت و سرمہ بصیرت بن جائے کہ اپنی بے ربط و بے انضباط زندگی اس لحاظ سے

ایک المیہ ہے کہ استفادہ و افادہ کی جن راہوں کو کھولا جا سکتا تھا۔ وہ ناکشودہ رہ گئیں۔

ناکامی حیات نہ بودے دو روز بیش
آن ہم کلیم با تو چہ گویم چساں گذشت

تاہم ؎

میری سنو جو گوش نصیحت نیوش ہو
دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

ابتدائی زندگی انسان ماحول سے متاثر ہوتا ہے۔ ماں کی گود، گھر، مکتب و معاشرہ انسان کو بنایا بگاڑ دیتا ہے۔ یہی وہ حقیقت کبریٰ ہے، جسکی طرف اشارہ حقائق کے سب سے بڑے نقاب کشا نبی الانبیاء حبیب خدا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں فرمایا ہے:

مامن مولود الا یولد علی الفطرۃ	کوئی بچہ ایسا نہیں جو فطرت (دین توحید)
فابواہ یہودانہ اوینصرانہ	پر پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن ماں باپ اسے یہودی نصرانی
او یمجسانہ۔	اور مجوسی بنا دیتے ہیں۔

(بخاری تفسیر سورہ روم)

فقیر نے بحمد اللہ تعالیٰ ہوش کی آنکھیں ایک دیندار گھرانے میں کھولیں۔ والد مرحوم[۱] باوجود ایک بڑے تجارتی کاروبار کے صوم و صلوٰۃ کے پابند، تشرع اور اسلامی شعائر و اقدار کے گرویدہ تھے گو عالم نہ تھے، لیکن علمائے اہل حق سے قریبی روابط تھے۔ فارسی اور اردو کی دینی کتابوں کا اچھا مطالعہ اور فارسی ادب کا ذوق تھا۔ کیمیائے سعادت ہمیشہ مطالعہ میں رہتی تھی، فقیر منش اور صاحب تقویٰ بزرگ تھے۔ والدہ محترمہ دام ظلہا اچھی خاصی دینی معلومات کی حامل، نیکی و پارسائی کا نمونہ، ذکر و اشغال و تلاوت کی پابند اور سخی و غریب پرور ہیں۔ والدہ محترمہ نے ترجمہ قرآنی اور اردو و فارسی میں اکثر متداول اول تفاسیر اور احادیث و فقہ و سیر کی متعدد کتابیں ہمارے تایا اور اپنے خالہ زاد بھائی مولوی حکیم غلام سرور صاحب سے پڑھی تھیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ بچپن میں وہ ہمیں کہانیوں کی بجائے انبیاء علیہم السلام کے قصے اور واقعات بر راست سناتی تھیں۔ بندہ نے قرآن کریم اپنی والدہ محترمہ سے پڑھا ہے اور ابتدائی فارسی والد مرحوم سے

---

[۱] اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

والدہ محترمہ علمی و ادبی ذوق پر آج حیران ہوتی ہیں۔ ان کے کتب خانہ میں اردو فارسی دینی کتب کے علاوہ مخزن لاہور، الہلال کلکتہ، تہذیب نسواں لاہور، پیشوا دہلی۔ مولوی دہلی۔ عصمت دہلی، ساقی دہلی، ہزار داستان لاہور، نیرنگ خیال، ہمایوں اور دیگر بیشتر ادبی اور دینی رسائل کے پرانے فائل کچھ عرصہ پیشتر تک موجود تھے، جن کا کثیر حصہ شملہ میں تقسیم کی نذر ہو گیا۔ اور کچھ ہماری نقل مکانی وغیرہ سے ضائع ہو گئے۔ بہر حال اس دراز نفسی کا مطلب یہ ہے کہ بندہ نے گھر میں علمی و دینی و ادبی فضا پائی جس کی وجہ سے آٹھ نو سال کی عمر تک توبۃ النصوح، مرآۃ العروس، بنات النعش، مسدس حالی جیسی کتابیں پڑھ چکا تھا اور اردو کا مطالعہ اچھا خاصا ہو گیا تھا۔ خیر یہ تو ضمنی بات تھی جس کا اظہار اپنے بچپن کے ماحول کے اظہار کے لئے ضروری تھا۔

بندہ کی کم نصیبی ہے کہ کسی دینی مدرسہ یا دار العلوم میں ابجد خوانی کا شرف حاصل نہ ہو سکا۔ بلکہ جو شد بد نصیب ہوتی وہ اصلاً والدین کی برکت۔ مسجد کا فیض اور ثانوی و ادنیٰ درجہ میں سکول و یونیورسٹی کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔

بندہ کو سب سے پہلے جس کتاب نے متاثر کیا۔ وہ پہلی جماعت کی کتاب "اسلام کی پہلی کتاب"[۲] (شائع کردہ انجمن حمایت اسلام لاہور) تھی جس کے ابتدائی الفاظ مدت گذر جانے کے بعد بھی کچھ کچھ یاد آتے ہیں۔

"اللہ ایک ہے، پاک اور بے عیب ہے۔ اس جیسا کوئی نہیں۔ اس نے سب کو

---

[۱] محمد اکبر خان ابن سکندر علی ابن سعادت خان ابن نور خان المتوفی ۱۷ر اکتوبر ۱۹۷۱ء مطابق ۲۹ر رمضان ۱۳۹۱ھ نسلاً پٹھان تھے، پشاور وطن تھا۔ تجارتی کاروبار کافی وسیع تھا۔ شملہ، دہلی، کلکتہ، دارجلنگ وغیرہ میں دکانیں تھیں۔ اس سلسلہ میں اکثر وقت دہلی و شملہ میں گذرتا تھا۔ ۱۹۰۱ء سے شملہ جانے کا دستور تھا، وہیں جائداد بنائی اور وہیں سپرد خاک ہوئے۔

[۲] انجمن حمایت اسلام لاہور کی دینی خدمات میں اس کی اسلام کی پہلی کتاب سے چودھویں کتاب تک کا قدیم سلسلہ جو مولوی اسماعیل میرٹھی اور مولانا عبد الرحیم صاحب کا تیار کردہ تھا بہت کارآمد و مفید تھا۔ اس سلسلہ کا خاص امتیاز اردو کی تعلیم کے ساتھ ساتھ مفید معلومات، تاریخ اسلام اور دینی علوم کا تعارف تھا۔ سیرۃ النبی کے علاوہ مسنون دعائیں ترغیب و ترہیب منذری کا آسان زبان میں خلاصہ پانچویں سے نویں کتاب تک آگیا تھا۔ احادیث ترغیب و ترہیب کا اثر اخلاق سازی میں بیّن و ظاہری ہے دسویں جلد تاریخ پر تھی و قس علی ھذا۔ بحمد اللہ بندہ نے چوتھی جماعت تک یہ پورا سلسلہ پڑھ ڈالا تھا۔

پیدا کیا، وہ سب کا پالنے والا ہے۔"

توحید کا جو نقش ان سیدھے سادے الفاظ میں دل پر مرتسم ہوا۔ بحمد للہ تعالیٰ اعمال کی بے شمار کوتاہیوں کے باوجود شرک و بدعات سے نفرت کا سبب بن گیا اور پھر چند سال بعد جب مسدس حالی پڑھی تو اس کے یہ الفاظ رگ و ریشہ میں سرایت کر گئے۔

یہ سنتے ہی تھرا گیا گلہ سارا | یہ داعی نے للکار کر جب پکارا
کہ ہے ذات واحد عبادت کے لائق | زبان اور دل کی شہادت کے لائق
اسی کے ہیں فرمان اطاعت کے لائق | اسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق
لگاؤ تو لو اس سے اپنی لگاؤ | جھکاؤ تو سر اس کے آگے جھکاؤ

بچپن اور مطالعہ گھر کے ماحول کی وجہ سے بچپن میں شوق مطالعہ اس قدر جوان تھا کہ سکول کی لائبریری کے علاوہ جو کتاب درسالہ یا اخبار مل جاتا تھا۔ پڑھنے کی کوشش کرتا تھا۔ اس سلسلے میں دس بارہ سال کی عمر تک رطب و یابس کے ڈھیر پڑھ ڈالے۔ چوتھی جماعت میں ایک ہندو استاد نے "تسہیل الاملا" نامی ایک کتاب کا پتہ دیا۔ یہ "تسہیل" عربی فارسی اور اردو کے مشکل و ثقیل الفاظ کا اچھا خاصا مجموعہ تھا۔ بندہ نے نہ صرف اس سے "املا" کیلئے استفادہ کیا بلکہ ان کے الفاظ و معانی کو یاد کر لیا۔ جس کا آئندہ اردو کتابوں کے پڑھنے میں بہت فائدہ ہوا۔

اسلامی تاریخ کا شوق والدہ محترمہ مدظلہا کے بیان کردہ تاریخی قصوں سے پیدا ہو چکا تھا۔ ان دنوں گرمی ہم شملہ میں گذارا کرتے تھے۔ وہاں ہمارے مکان کے قریب ایک لائبریری تھی جہاں کتابیں کرایہ پر پڑھنے کے لئے ملتی تھیں۔ تیسری جماعت میں تھا، سکول سے آتے ہوئے ایک تاریخی ناول "فتح یرموک" مصنفہ صادق صدیقی سردھنوی کرایہ پر لیا۔ اور چونکہ والد مرحوم ناول پڑھنے سے منع کرتے تھے اس لئے بستہ میں چھپا کر لایا۔ اور گھر والوں کی نظر بچا کر بستر میں کتاب

۱؎ ۱۹۳۰ء سے ۱۹۴۰ء تک ایسی کتابیں کہیں کہیں مدارس میں رائج تھیں، ہماری تعلیمی تاریخ کا یہ بھی المیہ ہے کہ پھر جو کتابیں آئیں ان کے ابتدائی فقرے توحید باری کی بجائے یہ تھے۔ "ابا بیٹھا حقہ پی رہا ہے۔" "اماں چرخہ کات رہی ہے۔" پھر مزید ترقی ہوئی تو یہ الفاظ آئے "بلی آئی چوہا دوڑا۔" اب MUMMY SINGS, FATHER DANCES یعنی ماں گاتی ہے، باپ ناچتا ہے۔ انا للہ۔

پڑھنا شروع کی۔ میری ہیئت کذائی نے غمازی کی اور بڑے بھائی محمد اکرم صاحب نے بھانپ لیا، کمبل ہٹایا، دیکھا تو ناول تھا۔ جس کے پہلے باب کا عنوان تھا۔ "تیرِ نظر"۔ بندش نے شوق کو مہمیز کیا۔ چپکے چپکے پہلے صادق صدیقی اور پھر مولانا عبد الحلیم شرر کے تقریباً سب تاریخی ناول پڑھ ڈالے۔ صدیقی کی فتح السقالیہ اور شرر کے ماہ ملک۔ عبد العزیز ورجینا۔ اور فلورا فلورنڈا وغیرہ سے طبیعت نے اثر لیا۔ اسی پانچ سات سال کے عرصہ میں پرانی طرز کے قصوں کی کتابیں گل بکاؤلی، قصہ چہار درویش، قصہ ممتاز، حاتم طائی، طلسم ہوشربا، فسانہ آزاد وغیرہ نظر سے گذریں۔ (آہ! زندگی کے قیمتی لمحات کہاں صرف ہوئے۔)

مطالعہ کا ایک پوشیدہ رخ یہ تھا۔ دوسری طرف گھر میں اردو میں جو دینی ذخیرہ کتب موجود تھا۔ اس کا کثیر حصہ بھی مطالعہ کی زد سے باہر نہ رہا۔ تفسیر حقانی۔ احسن التفاسیر۔ موضح القرآن۔ ترجمہ حضرت تھانوی۔ ترجمہ تجرید بخاری، بہشتی زیور وغیرہ اسی زمانہ میں نظر سے گذریں۔ ابن تیمیہ کی کچھ کتابوں کے تراجم۔ اکسیر ہدایت ترجمہ کیمیائے سعادت۔ ذرۃ الناصحین۔ کچھ تاریخی کتب بھی اسی دور میں پڑھیں مزید برآں نئے اور پرانے رسائل واخبارات کا مطالعہ بھی جاری رہا۔ آج تک الہلال کے وہ فائل آنکھوں کے سامنے ہیں جو بڑی تقطیع اور چکنے کاغذ پر ٹائپ میں چھپے ہوئے تھے۔ اور جن میں ابوالکلام مرحوم کی پہلے دور کی الہلال اردو جو اپنی برنائی ورعنائی شان وشوکت اور تحدیانہ اسلوب میں اپنی خاتم آپ تھی اپنی پوری جلوہ سامانیوں کے ساتھ جلوہ گر تھی۔ مخزن کے پرانے فائل۔ الہلال جدید ہزار داستان، نیرنگ خیال، ہمایوں، زمانہ، تہذیب نسواں، رومان وغیرہ کونسے رسالے تھے جو مطالعہ میں نہ آئے ہوں۔ راتیں بیت جاتی تھیں۔ لیکن شوق ختم نہیں ہوتا تھا۔ یہاں مولانا ظفر علی خان کے زمیندار کے اداریوں کا تذکرہ بھی بیجا نہ ہوگا۔ جو مسلمانوں کی شریفانہ اور غیر تمندانہ صحافت کا نقیب اور ادب کی ایک خاص صنف کا نمونہ تھا۔

صاف ظاہر ہے کہ اس رطب و یابس کا مطالعہ ہر صورت مفید نہیں ہو سکتا اور اپنی ادبیت کے باوجود عمر عیار[1] کی عیاریاں خوجی[2] کی قرولی کوہ ندا[3] کی صدائیں سب افسانہ و افسوں اور بے فکر و آزاد اذہان کی پیداوار اور مسلمانوں کے دور زوال کی یادگار ہیں۔

سکول کے زمانہ میں جن شعراء نے زیادہ متاثر کیا وہ حالی، اقبال اور حفیظ جالندھری تھے۔

---

۱ ـ ۲ ـ ۳ بالترتیب طلسم ہوشربا، فسانہ آزاد، حاتم طائی کے قصوں کی طرف اشارہ ہے۔

مسدس حالی، بانگ درا اور شاہنامہ اسلام کے صفحات ازبر تھے۔ اور ان سے ایک گونہ ایمانی قوت وملی حمیت پاتا تھا۔ بارہا اقبال کی بعض نظموں نے اشکبار کیا۔ مسدس حالی کی نعت میں اشعار سہل ممتنع اور اپنا جواب آپ ہیں۔ آج بھی ان کی تازگی وحلاوت میں فرق نہیں آیا۔ حفیظ کا سلام، صحرا کی دعا، بدر و احد کے معرکے اردو نظم میں خاصہ کی چیزیں ہیں۔ سکول کے زمانہ تعلیم میں دینی کتب میں سے سب سے زیادہ اثر اکسیر ہدایت ترجمہ کیمیائے سعادت کا رہا۔

کیمیائے سعادت امام غزالیؒ کی آخر عمر کی تصانیف میں سے ہے۔ ان کی زندگی کے تجارب کا نچوڑ اور احیاء العلوم کے مہم مباحث کا خلاصہ ہے۔ ترجمہ کیمیائے سعادت سے احیائے علوم کے ترجمہ مذاق العارفین کا شوق پیدا ہوا۔ احیاء کی وہ تاثیر آج بھی یاد ہے کہ چند سطریں پڑھ کر دل بیٹھتا معلوم ہوتا تھا۔ جس کی وجہ سے کئی مرتبہ کتاب کا مطالعہ رک جاتا تھا۔ غزالیؒ نے جس حال و کیفیت میں احیاء کو لکھا ہے اس کا کیف ایک ایک سطر سے جھلکتا ہے۔ اور ان کے دل کی دھڑکن ہر لفظ سے سنی جا سکتی ہے۔

عربی کتب کا مطالعہ | میری علمی زندگی میں ۱۹۴۰ء و ۱۹۴۱ء خاص اہمیت کے سال ہیں۔ ۱۹۴۰ء میں بندہ نے اپنی عمر کے پندرھویں سال میں میٹرک پاس کیا۔ امتحان کے بعد حضرت الاستاذؒ

۱؎ حضرت الاستاذ مولانا قاضی نور الاعظم صدیقی باجوڑی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے قدیم مساجد کے طرز تعلیم کی ایک عمدہ یادگار تھے۔ حدیث شریف میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ فقہ حنفی پر گہری اور وسیع نظر تھی۔ فقہی مسائل کا خصوصاً فقہ حنفیہ کا استحضار خوب تھا۔ تاہم فقہی مسلک میں وسیع المشرب تھے۔ متداول علوم عربیہ میں مہارت تھی۔ آپ کا سلسلہ حدیث دو واسطوں (۱۔ حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب دربھنگوی مدظلہ ۲۔ مولانا شاہ رسول صاحب بالاگڑھوی سرحدی) سے قطب الارشاد حضرت مولانا شاہ عبدالرشید صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ سے منسلک تھا۔ بیعت طریقت مجاہد کبیر حضرت حاجی فضل احمد صاحب ترنگزئی نور اللہ مرقدہ (المتوفی ۱۴ دسمبر ۱۹۳۷ء) سے تھی۔

(حاجی صاحب ترنگزئی قادریہ سلسلہ میں حضرت نجم الدین اخوند زادہ معروف بہ ہڈے ملا صاحب سے بیعت تھے۔ حضرت حاجی صاحب کی تمام عمر انگریزوں سے جہاد میں گذری۔)

استاذ مرحوم کا نسب سیدنا ابوبکر صدیقؓ سے جا ملتا ہے۔ آپ کے آباء و اجداد اسلام کی ابتدائی صدیوں میں پہلے مشہد آئے پھر افغانستان منتقل ہوئے۔ ان بزرگوں کا مشغلہ دینی تعلیم و تعلم تھا۔ اس

(باقی اگلے صفحہ پر)

لئے مدتوں افغانستان میں قضا کا عہدہ ان کے خاندان میں رہا۔ آخرش بعض نامساعد حالات کے پیش نظر کنڑ ہوتے ہوئے حضرۃ الاستاذ کے مورث اعلیٰ آزاد قبائل کے علاقہ باجوڑ میں متوطن ہو گئے۔ اس علاقہ میں بھی قضا کا عہدہ انہیں کے خاندان میں رہا۔ استاذ مرحوم کے پردادا عثمان علی بڑے جید عالم تھے۔ اور علاقہ میں ان کا بڑا اثر تھا۔ عثمان علی کے بیٹے حضرت علی بھی عالم تھے۔ ان کے بیٹے استاذ مرحوم کے والد منصور علی گو عالم نہ تھے۔ تاہم علم طب میں مہارت تھی، طبابت کا کام کرتے تھے۔ علاقہ انبار میں کچھ مدت فروکش رہے اور وہاں بمقام خوگہ ۱۹۰۰ء میں استاذ مرحوم کی پیدائش ہوئی۔ استاذ مرحوم کا بچپن انبار میں گذرا۔ پھر والد اپنے علاقہ باجوڑ (سلارزئی) چلے گئے ابتدائی کتابیں اپنے علاقہ کے علماء سے پڑھیں۔ پھر صریح مروزئی (تحصیل چارسدہ) میں تحصیل علم کے لئے مقیم رہے۔ اور صریح کے صاحب الحق صاحب سے فلسفہ اور منطق کا درس لیا۔ ۱۹۲۷ء میں پشاور آئے اور یہاں مختلف علماء سے فقہ اور دیگر متداول علوم حاصل کئے۔ پھر اہل حدیث پشاور کے مدرسہ میں داخل ہو کر حدیث وغیرہ سے باقاعدہ فراغت حاصل کی۔ اور پھر درس و تدریس میں آخر وقت تک مصروف رہے۔

حضرۃ الاستاذ زہد و ورع اور تقویٰ کا نمونہ تھے۔ تقویٰ کا اندازہ اس سے کیجئے کہ بندہ فجر کے بعد اور پھر مغرب کے بعد حضرت سے حدیث کا درس پڑھتا تھا۔ کمرہ میں روشنی کی ضرورت پڑتی تھی بجلی موجود تھی لیکن فرماتے تھے کہ واقف کی نیت کے مطابق نماز کے دوران میں بجلی کے استعمال کی اجازت ہے۔ اس لئے ہم اپنے لئے نہیں جلا سکتے تھے۔ چنانچہ بندہ کو چراغ کی روشنی میں اکثر کتابیں پڑھائیں۔ طلبہ کو لوجہ اللہ پڑھاتے تھے۔ بندہ تقریباً بارہ سال ان سے پڑھتا رہا۔ لیکن بندہ سے کبھی ایک حبہ تک قبول نہیں فرمایا۔ طبیعت عزلت نشینی کیطرف مائل اور نام و نمود و شہرت سے نفور تھی۔ صلہ رحمی اور اقربا پروری کا جذبہ غالب تھا۔ شفقت و رأفت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ تلامذہ کے ساتھ پدرانہ محبت سے پیش آتے تھے۔ عمر بھر تجرد کی زندگی گذار دی۔ آپکے مختلف کتابوں کے اسباق مختلف طلبہ کے ساتھ فجر کی اذان سے شروع ہوتے اور عشاء کے بعد تک جاری رہتے تھے۔ درمیان میں وقفہ صرف حوائج بشریہ اور عصر کے بعد گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ کی غرض سے ہوتا تھا۔ معاشی ضرورتوں کے لئے طب کا پیشہ اختیار کیا تھا۔ جو مریض آجاتا اسے نسخہ لکھ دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے ہاتھ میں شفا دی تھی۔ چاہتے تو بہت کچھ کما لیتے لیکن اس میں بھی رزق کفاف پر قناعت تھی تقریباً باسٹھ سال کی عمر میں حج کے موقع پر عرفات سے مزدلفہ کی واپسی پر اچانک طبیعت بگڑی اور ۱۱ر ذی الحجہ ۱۳۸۰ھ کو جان جان آفریں کے سپرد کر دی اور وہیں مدفون ہوئے۔

سے باقاعدہ مطالعہ کی ابتدا ہوئی۔ اور اس ہیچمدان کی عربی ابجد خوانی کی داغ بیل پڑ گئی۔

برصغیر پاک و ہند میں مدارس کے اجراء و شیوع سے پیشتر مساجد میں علماء کے اپنے "درس" ہوتے تھے۔ استاذ مختلف طلبہ کو فرداً فرداً اسباق پڑھاتا تھا۔ اور جب ان کی ایک کتاب ختم ہو جاتی تو دوسری کتاب شروع کرا دیتا تھا۔ اس قدیم طرز پہ ہمارے آبائی محلہ (محلہ مقرب خان پشاور) کی مسجد میں حضرۃ الاستاذ مرحوم کے "درسوں" کا سلسلہ قائم تھا۔ مختلف طلبہ کے اسباق ترجمۃ القرآن شریف سے لیکر

لے احادیث کی امہات الکتب کا نرا ترجمہ محض اردو میں پڑھ لینا متعدد قباحتوں کا مورث و سبب بن سکتا ہے۔ فقیر کے نزدیک چکڑالویت و پرویزیت کے برگ و بار نرا اردو میں احادیث کے پڑھنے سے پیدا ہو جاتے ہیں، خصوصاً جبکہ استاذ کی رہنمائی یا کسی اچھے محشی و شارح کے حواشی بھی نہ ہوں۔ علوم عربیہ فنون تفسیر و حدیث و فقہ سے ناواقفیت حدیث کے منشاء اور صحیح مطلب کے سمجھنے میں رکاوٹ پیدا کر دیتی ہے۔ اور آخر ش انکار حدیث کی راہ کھل جاتی ہے۔ تاہم جو کتب محقق علماء نے عصر حاضر کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر لکھی ہیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔

لے اس طرزِ تعلیم کا بڑا فائدہ یہ تھا کہ ہر طالب علم فرداً فرداً استاذ کی پوری توجہ سے مستفید ہو سکتا تھا۔ اور استاذ شاگرد کی صلاحیتوں کا اندازہ لگا کر اس کی استعداد کے بقدر اسے اپنے علوم سے بہرہ مند کرتا تھا۔ دوسرا بڑا فائدہ یہ تھا کہ ہر طالب علم استاذ کی نگرانی میں پوری کتاب پڑھتا تھا۔ اور چونکہ روزانہ استاذ سے بالمشافہ درس لینا اور سبق سنانا پڑتا تھا۔ اس لئے ہر طالب علم تیار ہو کر جاتا تھا۔ اور سبق کے دوران میں پورے تیقظ و دھیان سے استاذ کی تقریر سنتا، سمجھتا اور اسے ہضم کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ اچھے اساتذہ اپنے تلامذہ کی جانچ و امتحان کے ساتھ ان کی صلاحیتوں کو اجاگر اور بار آور کرنے کی پوری کوشش کرتے تھے۔ اس درس میں استاذ کا تعلق محض تعلیم و تدریس کا نہیں ہوتا تھا بلکہ استاذ ایک شفیق مربی و اتالیق بھی ہوتا تھا۔

لے حضرت الاستاذ کے ہاں فقہ میں (اصول فقہ کی کتابوں کے علاوہ) ترتیب یہ تھی۔ منیۃ المصلی، قدوری۔ کنز۔ مستخلص۔ شرح وقایہ۔ ہدایہ ——— ہدایہ کے اسباق کی تیاری میں استاذ مرحوم کے اپنے مطالعہ میں مولانا عبدالحئی فرنگی محل کے حواشی کے علاوہ فتح القدیر و کفایہ وغیرہ رہتی تھی۔ سبق میں حنفی مسلک کو احادیث سے خوب مدلل کرتے تھے۔ حدیث شریف میں ترتیب یہ تھی۔ مشکوٰۃ، صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد۔ جامع ترمذی، نسائی، ابن ماجہ۔ موطا امام مالک۔ موطا امام محمد۔ ان کے اپنے مطالعہ میں حواشی کے علاوہ بعض متداول شروح ہوتی تھیں۔ فارسی کا نصاب یہ تھا۔ پنج گنج۔ بوستان۔ گلستان۔ انوار سہیلی۔ یوسف زلیخا۔ سکندر نامہ (بعض اوقات دیوان حافظ بھی پڑھا دیتے تھے۔)

جلالین و بیضاوی تک منیۃ المصلی سے ہدایہ تک مشکوٰۃ سے لیکر صحیح بخاری تک بشرطِ گنجائش وقت جاری رہتے تھے۔

حضرت الاستاذ رحمہ اللہ تعالیٰ سے ہیچمدان نے حرفاً حرفاً مشکوٰۃ شریف، صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، جامع ترمذی و نسائی پڑھی۔ اور ابن ماجہ اور دیگر کتب کا ان کی نگرانی میں خود مطالعہ کیا۔ صحیح بخاری کا حاشیہ سہارنپوری (حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری) بھی استاذ مرحوم نے سبقاً پڑھایا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ شروح حدیث سے ایک گونہ مناسبت ہوگئی۔

اہلِ نظر جانتے ہیں کہ حضرت مولانا احمد علی سہارنپوری کا حاشیہ صحیح بخاری کی مختصر شروح میں خاصہ کی چیز ہے۔ فقیر کی محسن کتابوں میں اس حاشیہ کو ایک اونچا مقام حاصل ہے۔ محدث سہارنپوری نے مطول شروح کا عطر کھینچ لیا ہے۔ ایک مبتدی طالب علم کو مختصر و موجز شروح و حواشی بخاری میں اس سے بہتر رہنما کم ہی ملے گا۔ صحیح بخاری کی مطول شروح میں جیسے فتح الباری وسعت، دقیقہ سنجی اور علوم کی فراوانی میں اور عمدۃ القاری عمق اور حنفی نقطۂ نظر کی ترجمانی میں بے مثل ہیں۔ اس طرح یہ مختصر حاشیہ ایجاز و احتواء میں اپنی نظیر آپ ہے۔ متوسط شروح میں قسطلانی (ارشاد الساری) خوب ہے۔ جدید شروح بخاری میں فیض الباری علامہ حافظ سید انور شاہ صاحب الکشمیری کے علوم عمیقہ طرزانیقہ معارف تبکرہ کا خزینہ اور ان کی وسعتِ فکر و نظر کی ترجمان اور گوناگوں خصائص و مزایا کی حامل ہے۔ (کاش معارف الادبیہ کا یہ خزینہ کلک[1] یوسفی سے مزید گرانبار ہو پاتا)

شیخ الحدیث مسند الوقت حضرت مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری مدظلہ کی جدید تصنیف لامع الدراری علی جامع البخاری خصوصاً اس کا مقدمہ حضرت شیخ کے متبحر و تدقیق مہارت فن و تحقیق کا شاہکار ہے۔ ایسے تو تمام مباحث ہی قابلِ دید اور حرزِ جاں بنانے کے لائق ہیں۔ لیکن اصولِ تراجم بخاری کو جس شرح و بسط سے کھولا ہے۔ تراجم بخاری پر جس دقیقہ رس اور نکتہ سنجی سے کلام فرمایا ہے۔ اور تراجم کے متعلق ابواب کی جو ستر مفاتیح مہیا فرمادی ہیں وہ حضرت شیخ ہی کا حصہ[2] ہے۔

---

[1] حضرت علامہ سید محمد یوسف البنوری مدظلہ۔

[2] علامہ ابن خلدون نے مقدمہ تاریخ میں اپنے بعض شیوخ سے نقل کیا ہے کہ بخاری کی شرح کا قرض امت پر ہے۔ (کہ اس وقت تک علماء امت میں سے کسی نے بھی بخاری کی شایانِ شان شرح نہیں لکھی تھی۔) حافظ ابن حجر کے شاگرد حافظ شمس الدین سخاوی نے الضوء اللامع میں

صحیح بخاری | حضرت الاستاذؒ کا فیض و برکت۔ امام بخاری کا اخلاص۔ الجامع الصحیح کی نورانیت ندرت و البیلاپن تھا۔ کہ بحمداللہ اصح الکتاب بعد کتاب اللہ دل و دماغ پر چھاگئی۔ اور ایک عرصہ تک اس کی تلاوت قرآن کریم کی طرح روزانہ کرتا رہا۔ کتب حدیث میں سب سے زیادہ تاثر اس عظیم کتاب کا رہا۔ بخاری شریف صرف صحیح روایات حدیث کا ہی گنجینہ نہیں بلکہ بخاری کے وفور علمی ذہانت و فقاہت نے اسے خزینۂ علوم بنادیا ہے۔ اگر کسی طالب علم پر بخاری شریف اپنے مالہ و ماعلیہ کے ساتھ کھل جائے تو یقیناً علوم حدیث کا دروازہ اس پر وا ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی "صحاح" میں اصل محنت ایک کتاب پر ہی ہوتی ہے۔ وہی "متن" بن کر باقی کتب کو اپنا حاشیہ و شرح بنالیتی ہے۔ احاطہ احادیث اثر پذیری اور دیگر فوائد مہمہ کے لئے کتب صحاح و دوسری کتب احادیث و اسفار فن کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ تاہم اگر طالب علم ایک کتاب پر پوری محنت کرے تو دیگر کتب احادیث سے استفادہ آسان و ممکن ہو جاتا ہے۔ اور دیگر علوم میں بھی امہات الکتب کا یہی حال ہے۔ کہ ایک میں مہارت دوسری کتابوں کی اکثر گرہ کشا ہو جاتی ہے۔ حضرۃ الاستاذؒ فرماتے تھے کہ " اس کتاب (بخاری شریف) کی ایسی برکت ہے کہ اگر اچھی طرح سمجھ کر پڑھ لیا تو انشاء اللہ کہیں رکاوٹ نہیں ہوگی۔" اصلاح باطن کے لئے صحیح بخاری کی کتاب الرقاق اور جامع ترمذی کے ابواب الزہد والرقاق کا بار بار مطالعہ بہت مفید رہا۔

کتب صحاح اور انکی شروح | صحیح مسلم کی شروح میں امام نووی کی شرح عام و متداول ہے اور سہولت واختصار کے لحاظ سے طلبہ کے لئے بہت مفید ہے۔ فتح الملہم گو مکمل نہ ہو سکی۔ تاہم شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا قابل فخر کارنامہ ہے۔ ابوداؤد کے قاری کے لئے بذل المجہود سے مفر نہیں۔

لکھا ہے کہ یہ "قرض" علامہ ابن حجر نے فتح الباری لکھ کر پورا کر دیا ہے۔ حضرت الاستاذ علامہ یوسف البنوری نے نفحۃ العنبر صفحہ ۱۰۴ میں لکھا ہے۔ کہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب کا قول مجھ تک پہنچا ہے۔ کہ حافظ ابن حجر سے تراجم صحیح بخاری کا حق پورا نہ ہو سکا۔ حضرت علامہ بنوری فرماتے ہیں۔ کہ شیخ الہندؒ نے جو صحیح بخاری کے ابواب کی شرح لکھنی شروع فرمائی تھی، مکمل ہو جاتی۔ تو انشاء اللہ تراجم کا حق بھی ادا ہو جاتا۔ لیکن افسوس وہ کام مکمل نہ کر سکے تاہم جو حصہ انہوں نے تالیف فرمایا اور شائع ہوا وہ مستفیدین کے لئے چراغ رہنما ہے۔ ہیچمدان راقم اپنی کم مائیگی کا معترف ہے۔ تاہم خیال آتا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے مقدمہ لامع الدراری سے شاید یہ قرض ادا ہو گیا۔ (واللہ اعلم)

٭

جامع ترمذی کی شروح میں مخدومی الاستاد علامہ سید محمد یوسف[1] صاحب البنوری کی مبسوط شرح معارف السنن اسم بامسمیٰ. مصنف کے وفور علمی وسعت و رقت نظر حذاقت و مہارت فن پر شاہد اور عمق و تحقیق کا نمونہ ہے. مباحث فاضلہ، دقائق فائقہ، حقائق رائقہ معلومات واسعہ. معارف عالیہ و رموز عجیبہ پر مشتمل ہے. علامہ موصوف نے اس کتاب میں نہ صرف اپنے یگانہ روزگار استاد علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری کے علوم و تحقیقات کو یکجا کر دیا ہے. بلکہ محول محدثین اور ائمہ اعلام کے نوادرات علمی کا مفید و جامع ملخص پیش کر دیا ہے. مسلک حنفیہ کو احادیث مبارکہ کی روشنی میں جس عدل و فراخدلی اور وضاحت و خوبی سے منقح و مبرہن فرمایا ہے. قابل داد اور حیرت انگیز ہے[2].

اہمیت احادیث نبوی | کتب حدیث کے بحر زخار کی شناوری مجھ جیسے بے مایہ کی بساط نہیں. علوم و ملفوظات نبویہ کا یہ خزینہ سید الانبیاء حبیب خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے انوارات کا حامل ہدایت ربانی کا سرچشمہ وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ کا کرشمہ. انی اوتیت جوامع الکلم کی تفسیر منشاء رسالت کا محافظ اور قرآن کا علمی و حقیقی بیان و ترجمان ہے. کتب حدیث کا دائمی مطالعہ و ممارست صحبت نبوت کے انوارات و فیوض و برکات سے ایک گونہ بہرہ مند کر دیتا ہے. کسی نے سچ کہا ہے اھل الحدیث ھم اھل النبی وان لم یصحبوا نفسہ انفاسہ صحبوا. اثر پذیری کے لئے حدیث شریف کے مختلف مجموعے مطالعہ میں رکھے جا سکتے ہیں. جمع الفوائد

---

[1] یوسف اقلیم فضل و کمال مخدومی الاستاذ العلامہ السید محمد یوسف صاحب البنوری البشاوری مدظلہ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ کے جانشین و عاشق ان کے علوم کے راویہ اپنی ذات میں اسلامی علوم کا چلتا پھرتا جامعہ حدیث و فقہ و تفسیر کے متبحر و ناقد عالم عظیم ادیب اور بحر العلوم ہیں. حسن اخلاق جود و سخا. تقویٰ و ورع. خشیت و رقیق القلبی، شیریں کلامی و حسن بیان میں نمونہ. دقت نظر. وسعت معلومات. کثرت مطالعہ میں اپنی نظیر آپ اور حافظہ اور استحضار علوم کے بادشاہ ہیں.

ع بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

فقیر کو بھی حضرۃ علامہ مدظلہ سے حدیث شریف کی سند و اجازت سے سعادت حاصل ہے

[2] اس وقیع کتاب کی چھ جلدیں شائع ہو چکی ہیں. انشاء اللہ. دس جلدوں میں (مع مقدمہ کے) مکمل ہو گی.

کنز العمال، مجمع الزوائد، فیض القدیر، مشکوٰۃ وغیرہ "تجدیدی" مطالعہ کے لئے مفید ہیں جس عمل اور اعمال میں "ایمانی و احتسابی" کیفیت پیدا کرنے کے لئے ترغیب و ترہیب و فضائل اعمال کی احادیث کا مطالعہ ناگزیر ہے۔[2] فن علوم حدیث نوع در نوع علوم کا مجموعہ ہے۔ مہارتِ فن و مناسبت ان علوم کی پیہم تحصیل ہی سے ممکن ہے ورنہ ہر گام پر لغزش پا کا اندیشہ ہے۔

بات لمبی ہو گئی۔ عرض یہ کر رہا تھا کہ حضرت الاستاذ مولانا نور الاعظم الباجوڑی کی شفقت نے حدیث مبارکہ کے کوچہ تک پہنچا دیا۔ ان کا یہ احسان اتنا عظیم ہے کہ اس سے سبکدوشی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ گو اپنی نا اہلی سے استاذ مرحوم یا اس فن شریف کا حق تو ادا نہ کر سکا تاہم "نفحات نبوت" کی نسیم جانفزا کا ایک جھونکا بھی مایہ سعادت ہے ورنہ ؎

ان کی حریم ناز کہاں اور ہم کہاں نقش و نگار پردہ در دیکھتے رہے

اردو تراجم قرآن و تفاسیر اردو کے تفسیری لٹریچر میں حضرت اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کے بیان القرآن، علامہ شبیر احمد عثمانی کے حواشی، تفسیر ماجدی۔ اور احسن التفاسیر[3] سے فقیر نے بھرپور استفادہ کیا بیان القرآن (تھانویؒ) اردو کی احسن التفاسیر ہے۔ مصنف کے محتاط قلم نے اس تفسیر میں اپنے خداداد علوم معارف کے ساتھ تفاسیر ماقبل کا خلاصہ۔ روح المعانی کا عطر اور اقوال مفسرین میں راجح قول کو کمال حسن کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔ تفسیری باریکیاں۔ علمی نکات کا بیان اور ذہنی اشکالات کا حل اس انمول تفسیر کا خاصہ ہے۔ عربی بلاغت و معانی و لغت کی مشکلات ــــ "حل اللغات" کے مستقل عنوان سے واضح فرمائی ہیں۔[4] حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کے حواشی قرآنی

---

[1] اپنی تشنہ تکمیل کتاب نظام ہدایت کے سلسلہ میں کنز العمال کے بالا ستیعاب مطالعہ سے بہت فائدہ پہنچا۔

[2] اس سلسلہ میں عربی میں ترغیب و ترہیب منذری۔ ریاض الصالحین و کتاب الاذکار نووی اور اردو میں معارف الحدیث مولانا منظور احمد نعمانی مدظلہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کا مجموعہ فضائل اور چھوٹے بچوں کے لئے جنت کی کنجی اور دوزخ کا کھٹکا (مولانا احمد سعید دہلوی) مفید ہیں۔ [3] محمد علی ایم۔ اے لاہوری قادیانی نے بھی اسی نام سے ایک تفسیر لکھی ہے۔ نام کے التباس سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے۔ [4] افسوس ہے کہ تاج کمپنی (لاہور۔ کراچی) کے تاجداروں نے اپنی تجارتی مفاد کی بنا پر اس اہم اور مفید حصہ کو جو تفسیر کا حجم میں ایک چوتھائی حصہ ہے۔ اپنے مطبوعہ ایڈیشن میں شائع نہیں کیا۔ انا للہ

باوجود ایجاز و اختصار کے مولانا کا تفسیری اعجاز اور علوم نادرہ کا خزینہ ہیں۔ موثر و دلنشین بلیغ اردو میں نحو بخود تفسیری گتھیاں سلجھتی جاتی ہیں۔ اور جدید اشکالات کے جوابات ملتے جاتے ہیں۔ تفسیر ماجدی (اردو) بیک وقت قدیم و جدید عالم و عامی کی تسلی کا سامان ہے۔ تفاسیر ماقبل سے "مغز سخن" کا موجز انتخاب "قلم ماجدی" کا کمال ہے۔ عربی کے منتخب مختصر جملوں میں طویل و مبسوط تفاسیر سے مقصد کی بات اور روح کلام کا چھانٹ لینا ہنرمند کلک ماجدی کا وہ کارنامہ ہے۔ جس سے بڑی بڑی تفاسیر خالی ہیں۔ ان "جان مطالب" جملوں کا مفہوم اردو میں دلکش انشائے ماجدی میں پیش کر دیا گیا ہے مستشرقین کی پھیلائی ہوئی گمراہیوں۔ ابلہ فریبیوں کے جوابات مذاہب کا تقابلی مطالعہ اور عصری سوالات و اشکالات کا حل بھی آگیا ہے۔ تفسیر حقانی گو سرسید کی اغلاط تفسیری اور نیچریت کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ تاہم مفید معلومات کا مجموعہ ہے اور ملاحدہ و دیگر مذاہب کے جوابات اور متشکک اذہان کے لئے اس کا مطالعہ مفید ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی مدظلہٗ کی جدید تفسیر معارف القرآن شگفتہ اور آسان زبان میں قرآنی معارف و مسائل کا بیش بہا خزانہ ہے۔ ہر جدید و قدیم شخص کے مطالعہ کے لائق ہے۔ انگریزی تفاسیر میں مولانا عبدالماجد دریابادی کی تفسیر و ترجمہ مولانا کے قلم کا شاہکار ہے۔ دیگر خوبیوں کے علاوہ مولانا نے جس تفحص و استیعاب کے ساتھ بائبل و کتب ماقبل سے قرآنی آیات کے شواہد جمع فرما دئے ہیں۔ اس سے قرآن کا پہلی کتابوں پر مہیمن ہونا اظہر من الشمس ہو گیا ہے۔ تعلیم یافتہ طبقے کے لئے اس سے بہتر تفسیر انگریزی میں شاید ہی مل سکے۔ علامہ یوسف علی کا انگریزی ترجمہ قرآن و تفسیری حواشی بھی مفید ہیں اور پکتھال کا ترجمہ انگریزی بھی اچھا ہے۔

قرآن کریم کے اردو تراجم میں حضرت مولانا عبدالقادر صاحب محدث دہلویؒ کا بامحاورہ ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب کا تحت اللفظ ترجمہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب حضرت تھانوی اور مولانا عبدالماجد دریاآبادی کے تراجم خوب و مستند ہیں۔ اردو خوان طبقہ کو انہیں پر اکتفا کرنا چاہئے۔ اردو میں لغات قرآن پر جو کام کیا گیا ہے۔ اس میں مولانا عبدالرشید نعمانی اور مولانا واقم جلالی کی لغات القرآن[1] اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ اردو دان طبقہ کے لئے نعمت غیر مترقبہ ہے۔ پہلی دو جلدوں

---

[1] منکر حدیث غلام احمد پرویز صاحب نے لغات القرآن کے نام سے جو کتاب شائع کی ہے وہ تحریف و تاویل فاسد کا پلندہ۔ لغت نویسی سے مذاق اور تلبیس و دجل کا مرقع اور پرویزی حیلہ گری کا نمونہ ہے جو ان کے ذہن کی عکاسی ہے۔ اگر لغت نویسی یہی ہے تو لغت پر سے اعتبار اٹھ جاتا ہے۔

میں گو نسبتاً اختصار ہے تاہم غنیمت ہیں۔

عربی تفاسیر | مختلف متداول عربی تفاسیر زیرِ نظر رہیں۔ لغات کی تحقیق میں مفردات راغب اصفہانی سے فائدہ اٹھایا۔ جار اللہ زمخشری کی تفسیر کشاف ادب و بلاغت قرآنی کی کاشف اور لغت و نحو کے مباحث میں بلند مقام رکھتی ہے۔ قرآن کریم کا کوئی طالب علم اس کی تحقیقات سے مستغنی نہیں رہ سکتا۔ زمخشری معتزلی ہے۔ اس لئے دوران مطالعہ میں اس کے "اعتزالی نظریات" سے احتیاط ضروری ہے۔ قاضی بیضاوی نے اپنی تفسیر میں زمخشری سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ اور تفسیر اسرار التنزیل میں بعض سورتوں کے ذیل میں زمخشری کی عبارات لفظ بلفظ نقل کر دی ہیں۔

منقولی تفاسیر میں تفسیر ابن جریر طبری ام التفاسیر ہے جس میں لغت، نحو، بلاغت احادیث و آثار اور اقوال سلف کو اکٹھا کر دیا ہے۔ گو بعض ضعیف روایات بھی نقل کر دی گئی ہیں۔ تاہم ان سے تفسیر کی عمومی ثقاہت پر اثر نہیں پڑتا۔ فوائد عربیہ اور علوم نافعہ کا خزانہ ہے۔ جس سے بعد کے آنے والے ہر مفسر نے کچھ نہ کچھ فائدہ اٹھایا ہے۔ علامہ ابن کثیر دمشقی اپنی تفسیر میں صحیح روایات کے اہتمام کے ساتھ ابن جریر کی بیشتر خوبیوں کو اپنے میں سمو لیا ہے۔ اور اسے علوم قرآنی کا ذخیرہ بنا دیا ہے۔ گو تفسیر ابن کثیر ایک متوسط تفسیر ہے تاہم اپنے افادات کثیرہ حسن ترتیب اور فنی کمالات کی بنا پر ہر عہد میں ہر دلعزیز و مقبول رہی ہے۔ امام فراء البغوی کی معالم التنزیل اور اس کا ملخص تفسیر خازن منقولی تفاسیر میں اچھی ہیں۔

الجامع الاحکام القرآن یا تفسیر قرطبی اور بحر المحیط (مرتبہ اثیر الدین ابوحیان الغرناطی) اندلس مرحوم کے علمی سمندر کے دو انمول موتی ہیں، جن کا شمار اول درجہ کی تفاسیر میں ہے۔ دیگر کمالات کے علاوہ محقق اقوال کی نقل میں قرطبی اور نحوی گرہ کشائیوں میں بحر المحیط خوب ہے۔

بندہ احکام القرآن جصاص رازی سے بہت زیادہ مستفید و متاثر ہوا۔ حنفیہ کی قدیم تفاسیر میں یہ کتاب خاصہ کی چیز ہے۔ اور باوجود اختصار کے بعض مطول تفاسیر پر سبقت لے گئی ہے۔

امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر حکمت قرآنی اور استدلال عقلی کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ رازی قرآن کے اندر ڈوب کر اپنی عمیق اور خداداد ذہانت سے پوشیدہ جواہر قرآنی کو صفحہ قرطاس پہ بکھیرتے جاتے ہیں۔ ان کی نکتہ سنجیاں کشادِ فکر کا سبب ہیں۔

علامہ آلوسی بغدادی کی روح المعانی اسم بامسمّیٰ اور متاخرین کے لئے سرمایہ نازش ہے۔ ادب و بلاغت کی گرہ کشائیاں تفاسیر ماقبل کا ماحصل حنفی نکتہ نظر سے فقہی استدلال اپنی محققانہ رائے کے ساتھ مستقلاً سلوک و معرفت کے نکات ہے

از سر تا بقدم ہر کجا می نگرم کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جا است

تفسیر ابی السعود گو مختصر ہے مگر مفید اور حنفی نکتہ نظر کی ترجمان ہے۔

علامہ سیوطی کی در منثور تفسیری احادیث کا قابل قدر مجموعہ ہے۔ اور اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔ کہ قرآن احادیث کا منبع بھی ہے اور اعمال و اقوال محمدیہ کا مؤید بھی۔ احادیث نبویہؐ قرآن پاک کی تشریح و بیان بھی ہیں۔ نزول قرآنی کے مواقع و ماحول۔ منظر و پس منظر عموم و خصوص وغیرہ کی بتلانے والی بھی۔ قرآن و حدیث دونوں باہم لازم و ملزوم۔ متن و شرح، اجمال و تفصیل دعویٰ و دلیل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ دونوں ایک ہی حقیقت کے دو پرتو اور ایک ہی نور مبین کی شعاعیں ہیں۔ احادیث کے بغیر قرآن نہیں سمجھا جاسکتا۔ اور احادیث کی حقیقت قرآنی روشنی ہی میں کھلتی ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ کی تفسیر فتح العزیز خاندان ولی اللّٰہی کے علوم قرآنی کی خازن، امین اور حقائق نگاری میں اپنی نظیر آپ ہے۔ اس رنگ میں فقیر کی نگاہ سے کوئی تفسیر نہیں گذری کاش مکمل ہوجاتی۔ تو تفسیری خزانہ عامرہ کا بے بہا موتی ہوتی۔ تاہم حضرت شاہ صاحب کے علمی وعرفانی مقام کا اندازہ اس نامکمل تفسیر سے ہی ہوجاتا ہے۔[1]

جلالین اس قدر مختصر ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ سے اس کے الفاظ کچھ ہی زیادہ ہیں۔ اس کے باوجود سلیم الطبع عربی دان کے لئے ایک حد تک مطالب قرآنی کا حل ہے۔

اعجاز قرآن | قرآن کریم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ ہے، جس کی وجوہ اعجاز بیشمار ہیں۔ اور اس کا کلی ادراک ایک انسان کے بس کی بات نہیں۔ اس کا اعجاز حرف و صوت نشست الفاظ انتخاب کلمات و تقاطیع اصوات ترتیب و ترکیب کلام سلاست و روانی ترتیل و سہولت ادائیگی فصاحت و بلاغت و اسلوب بیان میں نمایاں۔ اس کے مطالب و معانی۔ پیام و احکام مقاصد حقائق اخبار غیب و قصص غرض جزو کل میں جاری و ساری اور ظاہر و باہر ہے۔[2]

---

[1] حضرت علامہ بنوری مدظلہ حضرت علامہ کشمیری نور اللہ مرقدہٗ کا قول نقل فرماتے ہیں۔ کہ "قرآن کی تفسیر کا حق ادا کرنے سے مخلوق قاصر ہے۔ تاہم اگر تفسیر فتح العزیز مکمل ہوجاتی تو شاید بشری حد تک تفسیر قرآن کا ایک گونہ حق ادا ہوجاتا۔ (بندہ نے جو مفہوم خیال میں ہے لکھا ہے۔ الفاظ میں فرق ہوسکتا ہے۔)"

[2] اردو میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کا رسالہ اعجاز القرآن اور حضرت سید الملت علامہ سید سلیمان ندوی نور اللہ مرقدہ کا اعجاز القرآن پر مضمون سیرت النبی (جلد ثالث) خوب ہیں۔

اعجاز قرآنی پر ہر دور میں علمائے امت نے کام کیا۔ اور ہر ایک نے اپنی بساط کے بقدر اس عمیق فن کے مختلف پہلوؤں کو کھولنے کی کوشش کی۔ جاحظ و زمخشری سے لیکر اس وقت تک علمائے محققین اپنی کاوشوں کے ثمرات کو امت کے سامنے پیش کرتے رہے ہیں۔ تاہم احقر کے نزدیک اعجاز قرآنی پر مفید اور اہم کتابیں دلائل الاعجاز (امام عبدالقاہر جرجانی) اعجاز القرآن (علامہ الباقلانی) اعجاز القرآن یتیمۃ۔ المثل السائر (ابو الفتح ضیاء الدین المعروف ابن الاثیر الموصلی) یتیمۃ البیان مقدمہ مشکلات القرآن (علامہ محمد یوسف البنوری) ہیں۔ جن سے فقیر نے اپنی بساط کے بقدر فائدہ اٹھایا ہے۔ فقیر نے دلائل الاعجاز للجرجانی اور اعجاز القرآن الباقلانی اپنے مصری استاذ حسین الکاتب سے پڑھیں۔

رمضان المبارک ۱۳۹۲ھ میں حضرت علامہ سید محمد یوسف صاحب البنوری مدظلہ نے اپنے مدرسہ میں اعجاز القرآن پر خصوصی درس دیئے تھے۔ بندہ کو ان میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی اور حضرت ممدوح کی اعجاز کے بارے میں توضیحات اور علامہ کشمیریؒ[2] کے نظریہ اعجاز القرآن[3] کی تفصیلات سننے اور ان سے مستفید ہونے کا موقع ملا۔ علامہ بنوری مدظلہ نے دیگر وجوہ اعجاز کے علاوہ اس بات کو خوب واضح و مدلل فرمایا کہ "قرآن کریم نہ صرف اسلوب بیان و ترکیب کلام میں معجزہ ہے۔ (جیسا کہ امام جرجانی وغیرہ کا قول ہے) بلکہ قرآن باعتبار مفردات و مرکبات کے بھی معجزہ ہے۔ (باقی آئندہ)

---

[1] وجوہ اعجاز کی ان جملہ صورتوں میں ہر صورت و وجہ مستقل تشریح و مضمون کی طالب ہے۔ جس کا متحمل ہمارا یہ مجالہ نہیں ہو سکتا۔

[2] علامہ انور شاہ کشمیری دیگر علوم کے علاوہ بلاغت و وجوہ اعجاز کی معرفت میں بھی مجتہد و امام تھے۔ چنانچہ مشہور قول "لم یدر اعجاز القرآن الا الاعرجان" نقل کرنے کے بعد فرماتے تھے۔ احدھما من زمخشر والآخر من جرجان "وانا ثالثھما" علامہ بنوری مدظلہ علامہ موصوف کا ارشاد بیان فرماتے ہیں۔ کہ "بلاغت پر میرا بیان و تقریر وہ شخص سمجھ سکتا ہے جو مطول جیسی کتاب لکھ سکتا ہو۔ اور جسے شعراء جاہلیۃ کے دس بارہ ہزار اشعار یاد ہوں۔

[3] اعجاز القرآن عمیق و گہرا فن ہے اس کے ماہر ہر دور میں محدود و شاذ ہوتے ہیں۔ حضرت بنوری کا ارشاد ہے۔ "علوم کی تین قسمیں ہیں۔ ایک تو کچے تھے پک گئے۔ کچھ علوم ایسے ہیں کہ پک کر جل گئے اور کچھ علوم ایسے ہیں جو کچے کے کچے رہ گئے اور ابھی تک نہیں پکے اور یہ علوم ہیں قرآن کریم کے وجوہ اعجاز اور علم بلاغت"۔

وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھا

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مدظلہٗ
مظاہر العلوم سہارنپور

دینی مدارس پچاس برس پہلے

اسٹرائک کی لعنت اسوقت تک ہمارے مدارس میں نہیں آئی تھی۔ مدارس عربیہ والے اس منحوس لفظ کو جانتے ہی نہ تھے کہ کیا ہوتا ہے۔ اسوقت تک ہر بڑے چھوٹے کے نزدیک مدرسہ کے احسانات اہم اور قابل لحاظ تھے۔ ایک اصول جو میرے اکابر کے یہاں خاص طور سے تھا کہ دوسروں کے جو حقوق اپنے ذمہ ہوں ان کو ادا کرنا اپنا فریضہ ہے۔ اور اپنے حقوق جو دوسروں کے ذمے رہ جاویں انکی وصولی کا فکر نہیں کرنا چاہئے، میرے والد صاحب قدس سرہٗ کا خاص طور سے اس قانون پر عمل تھا۔ وہ کسی بات میں یہ نہیں سوچتے تھے کہ دوسرا کیا کر رہا ہے، وہ ہر بات میں یہ سوچتے تھے کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔؟ میرے چچا جان نور اللہ مرقدہٗ کے ملفوظات میں بھی اور عزیز یوسف مرحوم کی تقاریر میں بھی یہ مضمون بہت کثرت سے ملے گا۔ اور حدیث پاک سے بھی مستنبط ہوتا ہے۔۔۔ لیس الواصل بالمکافی ولکن الواصل الذی اذا قطعت رحمہ وصلہا۔ ترجمہ: صلہ رحمی کرنیوالا وہ نہیں جو برابر سرابر کا معاملہ رکھے۔ یعنی یوں کہے کہ جیسا وہ کریگا ویسا میں کروں گا، بلکہ صلہ رحمی کرنیوالا وہ ہے۔ کہ جب اس کے ساتھ قطع رحمی کی جاتے تو وہ قطع رحمی کرنیوالوں کے ساتھ بھی صلہ رحمی کرے۔ (مشکوٰۃ عن البخاری) مدرسہ کے معاملات میں نہ صرف اس ناکارہ کا بلکہ اس زمانے کے تقریباً ہر مدرس اور ملازم کا یہ قانون اور اصول موضوعہ کے طور پہ طے شدہ مفروضہ تھا کہ ہمارا کوئی حق مدرسہ پہ نہیں جو مدرسہ کیطرف سے مل رہا ہے۔ وہ اللہ کا احسان اور اسی کا عطیہ ہے۔ اور ثانیاً مدرسہ کا احسان ہے۔ اور ہم لوگوں کا کوئی حق مدرسہ پہ نہیں ہے۔ اور مدرسہ کا ہر کام چاہے کتنا ہی معمولی سا ہو۔ حتیٰ کہ درس گاہ میں جھاڑو تک دینے سے بھی مدرس کو عار نہیں تھا۔ اس زمانے میں عار نہیں کو استنجاء

کے ڈھیلوں کی اینٹوں کے لئے یا حمام کے لکڑیوں کے لئے کسی ملازم یا مزدور کو بلانے کی ضرورت کبھی پیش آتی ہو۔ میں نے دربان سے کہہ رکھا تھا کہ جب اینٹوں یا لکڑیوں کی گاڑی آوے، اوپر درسگاہ میں مجھے اطلاع کر دیں۔ میں گھنٹے کے ختم پر ایک طالب علم کو مولانا عبدالرحمٰن صاحب (کامل پوری) کے پاس یہ کہہ کر بھیج دیتا تھا کہ اینٹیں آئی ہوئی ہیں، میں نیچے جا رہا ہوں، مولانا مرحوم بھی فوراً نیچے پہنچ جاتے۔ اور ہم دونوں کو جاتے دیکھ کر دونوں کے یہاں کی جماعتیں ایسی دوڑتیں کہ ہم سے پہلے وہاں پہنچ جاتے، ہم دونوں کو تو ایک پھیرا بھی مشکل سے کرنا ہوتا تھا کہ راستے میں کوئی طالب علم چھین لیتا تھا۔ لیکن اینٹیں ہوں یا لکڑیاں دو تین منٹ سے زائد گاڑیوں کے خالی ہونے میں نہ لگتے تھے۔ بہت سے طالب علموں کو ایک ہی پھیرا کرنا پڑتا تھا۔ نوعمر لڑکے اپنی جرأت دکھانے کے لئے دو پھیرے کر لیتے تھے۔ بہت سی جزئیات اس نوع کی ملیں گی۔ اب اس کے بالمقابل یہ منظر دیکھ کر کہ کسی ملازم سے یوں کہیں کہ پنکھا اٹھا دے تو وہ یہ سوچ کر کہ یہ میرا کام نہیں، اس کا معاوضہ کیا ہوگا۔ کسی کا یہ شعر یاد آجاتا ہے ۔

ان تینوں کا یہی ہے لیکھا
وہ بھی دیکھا یہ بھی دیکھا

مولانا قاری فیوض الرحمٰن ایم اے
ایبٹ آباد

تذکرہ اساتذہ دارالعلوم حقانیہ

قسط ۲

حضرت مولانا شیر علی شاہ صاحب مدظلہ

خاندان | مولانا شیر علی شاہ بن مولانا قدرت شاہ بن مولانا عنبر شاہ ابن مولانا میر ولیس شاہ آپ کے اجداد کرام شاہان مغلیہ کے دور میں بخارا سے باجوڑ اور پھر باجوڑ سے ہشتنگر آئے۔ اجداد میں سے حضرت مولانا میر ولیس شاہ مرحوم بہت بڑے فقیہ ہو گذرے ہیں، اکثر اول وآخر کے حافظ تھے، اعلاء کلمۃ اللہ اور احیائے سنت میں مصروف رہتے تھے، سکھوں کی جابرانہ حکومت میں مظلوم مسلمانوں کی امداد فرماتے تھے، آپ کے بارے میں اس وقت کے سکھ حاکم نے اپنوں کی جاسوسی کی وجہ سے ایک فوجی دستہ کے ذریعہ آپ کے گھر پر حملہ کروایا، آپ کے گھر کو نذر آتش کر دیا گیا اور آپ کو شہر بدر کی سزا ملی۔ آپ کے کتب خانہ کی بعض نیم سوختہ کتابیں اب بھی آپ کے نواسوں کے پاس موجود ہیں، جو آپ کی مجاہدانہ کارروائیوں پر ظالمانہ سلوک کا پتہ دیتی ہیں۔ آپ نے جلاوطنی کے دوران بنیر میں قیام فرمایا، اسی دوران حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کے رفقاء جہاد جب اکوڑہ پہنچے تو آپ بھی میدان کارزار میں مجاہدین کرام کی صف میں شامل ہو کر بڑی بے جگری سے لڑے۔ مولانا میر ولیس شاہ کے بیٹوں میں مولانا عنبر شاہ صاحب بہت بڑے عالم ہو گذرے، اور عرصہ دراز تک صاحب اسوٹا[1]ؒ کے حکم پر فرائض قضاء و افتاء سرانجام دیتے رہے۔ مولانا موصوف نحو، اصول فقہ اور علم میراث میں بہت ماہر تھے، خصوصاً شرح جامی اور سراجی میں ان کا درس دور دور تک مشہور تھا۔ ان دونوں کتابوں پر ان کے قلمی حواشی موجود ہیں۔

---

[1] صاحب اسوٹا، تحصیل صوابی ضلع مردان کے ایک بہت بڑے بزرگ تھے، جو صاحب سرات رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز تھے۔

ان صحیح العقیدہ اکابر کی بدولت اس خاندان کے جملہ افراد قدرتی طور پر اکابرین دیوبندؒ کے ہم مسلک وہم عقیدہ ہیں۔

ولادت | آپ ۱۵ شعبان سنہ ۱۹۳۰ء میں اکوڑہ خٹک میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم | فقہ اور فارسی نظم کی کتابیں اپنے والد صاحب سے پڑھیں، نظمِ فارسی کی چند کتابوں میں حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب المعروف بہ "قصابانو حاجی صاحب" سے بھی استفادہ کیا۔ یہ بزرگ فارسی، عربی اور پشتو کی تینوں زبانوں کے ماہر تھے، اور کئی سال تک بغداد شریف میں حضرت الشیخ گیلانیؒ کے نواسوں کو ابتدائی کتابیں پڑھا چکے تھے، شیخ الحدیث دارالعلوم حقانیہ اور شیخ الجامعہ حضرت بادشاہ گل صاحب کے بھی استاد تھے غالباً ۱۹۵۸ء میں انتقال فرما گئے۔ بعد ازاں صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں حضرت مولانا قاضی حبیب الرحمٰن صاحب فاضل دیوبند سے پڑھیں، شیخ الجامعہ سے کافیہ مع ترکیب، بدیع المیزان اور میبذی کے کچھ اسباق پڑھے اور دوبارہ کافیہ اور تحریر سنبٹ و میبذی حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ سے اس وقت پڑھیں جب حضرت شعبان میں دارالعلوم دیوبند سے تعطیلات میں اپنے گھر تشریف لائے ہوئے تھے۔ اور تقسیم ملک کے بعد جب بعض طلبہ ان سے پڑھنے کیلئے اکوڑہ آئے اور دارالعلوم حقانیہ معرض وجود میں آیا تو پھر باقاعدہ تمام کتابیں گیارہ سال کے عرصہ میں دارالعلوم حقانیہ ہی میں مختلف اساتذہ سے پڑھیں۔ گویا آپ دارالعلوم حقانیہ کے ابتدائی طالب علموں میں سے ہیں۔ حضرت مولانا عبدالغفور صاحب سواتی مرحوم صدر المدرسین اور حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب زروبی و دیگر اساتذہ سے مختلف علوم و فنون کی کتابیں پڑھیں۔ ۱۳۷۰ھ میں حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ سے دورۂ حدیث پڑھا۔ دورۂ حدیث کے امتحان میں اول پوزیشن حاصل کی۔ فراغت کے بعد تقریباً تین ماہ میں آپ نے جامعہ اشرفیہ لاہور کے اساتذہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب بانی و مہتمم اور حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی مدظلہ سے استفادہ کیا۔

تدریسی خدمات | فراغت کے بعد دارالعلوم حقانیہ میں تدریس شروع کی، ابتدائی کتابیں بار بار پڑھائیں، چند سالوں سے مشکوٰۃ جلد عـ۱، موطاین، نسائی شریف، ابن ماجہ شریف، شمائل ترمذی اور شرح نخبۃ الفکر زیر درس ہیں۔ ترجمہ و تفسیر آپ نے پہلے ۱۳۷۰ھ میں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ سے پڑھی، پھر ۱۳۸۲ھ میں استاذی المکرم حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ صاحب درخواستی دامت برکاتہم سے استفادہ کیا اور سند حاصل کی۔ انہی دو بزرگوں

کے طریق پہ آپ ترجمہ بھی پڑھاتے ہیں، سالِ رواں ۱۳۹۲ھ میں تقریباً ۵۰ طلباء نے ترجمہ پڑھ کر سندات حاصل کیں۔

حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیمبلپوری ؒ نے آپ کو صحاح ستہ کی اجازت سے نوازا ہے۔ طحاوی شریف میں خصوصی اجازت مرحمت فرمائی۔

سفرِ حج کے دوران الشیخ عبدالکریم الکردی صدر مدرس مدرسہ قادریہ بغداد نے جملہ فنونِ متداولہ میں اجازت کے ساتھ ایک قلمی سند بھی عطا فرمائی۔

تصنیفی خدمات | آپ کو تصنیف و تالیف سے بہت لگاؤ ہے، ماشاء اللہ خوب لکھتے ہیں۔ ماہنامہ الحق میں آپ کے بلند پایہ مضامین شائع ہوئے ہیں۔ الحق میں سفرِ حج کے تاثرات "مسجدِ اقصیٰ کی فضاؤں میں" بالاقساط شائع ہوئے جنہیں شوق و محبت سے پڑھا گیا، بعد میں "دارالعلوم" دیوبند کے ماہنامہ نے بھی اسے شائع کیا۔ اکابر کی کئی تقریریں آپ نے قلمبند کر کے بعد میں شائع فرمائیں۔ خدام الدین، پیامِ اسلام اور ترجمانِ اسلام میں آپ کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔

تبلیغی جماعت کے ساتھ آس پاس کے علاقوں میں بھی کام کرتے دکھائی دیتے ہیں، سیاسی مسلک جمعیۃ علماء اسلام کا ہے۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں آپ نے گرانقدر خدمات انجام دیں۔ "تحفظِ ختمِ نبوت" کے سلسلہ میں ۲ ماہ تک "سنتِ یوسفی" کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ لکھنے پڑھنے کے ساتھ فارغ اوقات میں شکار سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ آپ نے مولوی فاضل، منشی فاضل، اور میٹرک کے امتحانات بھی پاس کر رکھے ہیں۔ (بحوالہ جائزہ ص ۴۰)

حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب دیروی مدظلہٗ

ولادت | آپ ۱۹۳۲ء کے لگ بھگ "اوچ" سابق ریاست دیر میں قاضی محمد یوسف صاحب مرحوم کے گھر پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم | ابتدائی تعلیم کچھ اپنے علاقہ میں اور کچھ مظاہر العلوم سہارنپور میں حاصل کی، مظاہر العلوم کے تین سالہ عرصۂ قیام میں آپ نے حضرت مولانا منظور احمد صاحب سے خوب استفادہ کیا۔ آپکی تعلیم جاری تھی کہ تقسیم ملک کا اعلان ہوا، آپ عازمِ وطن ہوئے اور مدرسہ رفیع الاسلام بجانہ ماڑی

کے حضرت مولانا عبداللطیف صاحب مدظلہ سے استفادہ کیا، بعد ازاں سے رمزی "نزد سرو میری" میں ایک سال تک مولانا جلال الخالق صاحب سے پڑھتے رہے۔

اعلیٰ تعلیم | پھر ۱۳۷۳ھ میں آپ نے اعلیٰ تعلیم کے حصول کیلئے دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں داخلہ لیا، تین سال میں تکمیلی کتابیں پڑھ کر چوتھے سال میں دورۂ حدیث پڑھا۔ ۱۳۷۷ھ میں سند فراغت حاصل کی۔ آپ کی سند کا نمبر ۱۷۴ ہے۔

ترجمہ و تفسیر قرآن آپ نے ۱۳۷۵ھ میں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ سے پڑھی۔

تدریسی خدمات | فراغت کے بعد مدرسہ انوار العلوم گوجرانوالہ میں تین چار ماہ تدریس کی، پھر اپنے گاؤں واپس آگئے، ایک سال تک اپنے گاؤں میں پڑھاتے رہے، پھر فوج میں امامت اختیار کرلی۔ ساڑھے چار سال کے اس عرصۂ امامت میں آپ نوشہرہ چھاؤنی، پشاور، بنوں اور کوہاٹ کے دینی مدارس میں بھی تدریس کرتے رہے۔ فوجی ملازمت کے بعد مدرسہ "قاضی حسام الدین کوہاٹ" میں بحیثیت صدر مدرس گیارہ سال تک اعلیٰ تدریسی خدمات انجام دیں۔ آپ کی مخلصانہ مساعی سے اللہ پاک نے غیر آباد مدرسہ کو آباد کردیا۔

دارالعلوم حقانیہ میں | ۱۹۷۰ء میں آپ کو دارالعلوم حقانیہ کے سٹاف میں شامل کرلیا گیا، اب بھی وہیں نہایت محنت و جانفشانی کے ساتھ پڑھا رہے ہیں۔

صوفیانہ مسلک | آپ نے شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور پھر انہی کے ہو رہے۔

سیاسی مسلک | آپ جمعیۃ العلمائے اسلام سے وابستہ ہیں۔

سمیع الحق

یادِ رفتگاں

- حضرت صدر المشائخ محمد عثمان المجددی مرحوم
- حضرت مولانا محمد قمر صاحب عرف بجوڑ و استاذ مرحوم
- میاں محمد شریف طابع و ناشر ماہنامہ الحق
- ایک طالب علم کی شہادت

۱۹ر اپریل بروز جمعرات مغرب کے قریب لاہور کے میو ہسپتال میں افغانستان کے سلسلہ رشد و ہدایت کے ایک مرشد کامل اور خانوادۂ مجددی فاروقی کے ایک گل سر سبد ملت اسلامیہ کو داغ مفارقت دے گئے یعنی حضرت نور المشائخ شیخ فضل عمر مجددی ملا شور بازار قدس سرہ کے سب سے بڑے صاحبزادے مولانا صدر المشائخ فضل عثمان مجددی کا تقریباً اسی برس کی عمر میں انتقال ہو گیا حضرت مرحوم نے اپنے اولوالعزم والد بزرگوار کی طرح دعوت و تبلیغ اسلام اور جہاد و عزیمت میں ساری زندگی گذاری کچھ عرصہ قبل جب افغانستان کی دینی فضا بدلتی محسوس ہوئی تو آپ ترک وطن فرما کر پاکستان کی سالمیت عالم اسلام کے اتحاد اور لادینی فتنوں کے مقابلہ میں مصروف رہے۔ اعلاء کلمۃ اللہ جہاد و عزیمت اس خاندان مجددیہ فاروقیہ کا موروثی شعار ہے آپ کے چھوٹے بھائی حضرت ضیاء المشائخ محمد ابراہیم جان مدظلہ افغانستان میں اپنے والد بزرگوار کے مسند نشین رشد و ہدایت ہیں اور ان کی خانقاہ مرجع انام ہے۔ حضرت مرحوم انار کلی لاہور کی ایک مجلس وعظ میں شرکت فرما کر رات ایک بجے گھر پہنچے تو مرض نے شدت اختیار کی دو دن بعد تین مرتبہ اللہ اکبر اور کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے جان جان آفرین کے سپرد کی۔ لاش پورے اعزاز کے ساتھ افغانستان لائی گئی۔ ۲۱ر اپریل کو قلعہ جواد کابل میں ان کے بھائی حضرت ضیاء المشائخ نے جنازہ پڑھایا جس میں تقریباً ایک لاکھ افراد نے شرکت کی۔ علماء وزراء اعیان مملکت ہر طبقہ کے لوگ موجود تھے۔ جنازہ کے بعد پاکستان کے سفیر مقیم کابل اور شاہ افغانستان کے نمائندوں نے مزار پہ پاکستان اور افغانستان کے پرچم نصب کئے اور گویا حضرت مرحوم کے وصال کے بعد بھی دو برادر ملکوں کے اس اتحاد کا مظاہرہ ہوا جس کے لئے مرحوم عمر بھر کوشاں رہے۔ ان کے بڑے صاحبزادہ مولانا بدر المشائخ فضل الرحمان مجددی کو ان کی خلعت نیابت کی سرفرازی ملی جو پاکستان میں مقیم ہیں۔ حضرت مرحوم کو دیگر اکابر مشائخ کی طرح دار العلوم حقانیہ سے خاص تعلق خاطر رہا اور بارہا اچانک دار العلوم تشریف لاتے اور اپنی مشغولیت

سب کو نوازتے ، اپنے والد بزرگوار کی سنت کو قائم رکھتے ہوئے ۲۰ ؍ مئی کو حضرت مرحوم کے جانشین مولانا فضل الرحمان مجددی تشریف لائے اور طلبہ سے گرانمایہ خطاب فرمایا۔ ان کی گرمجوشی اور عالم اسلام کے لئے درد و سوز کے جذبات اور اندازِ بیان سے ظاہر ہوا کہ موصوف اپنے والد بزرگوار کی مسند رشد و اصلاح کے لئے انشاء اللہ نہایت اہل اور موزوں جانشین ثابت ہونگے۔ اور اپنے قابلِ فخر بزرگوں کی روایات قائم رکھ سکیں گے۔ دارالعلوم میں حضرت مرحوم کیلئے ایصالِ ثواب کیا گیا، حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ نے مولانا محمد ابراہیم جان مدظلہٗ (افغانستان) کے نام اپنے تعزیتی ٹیلیگرام میں پورے دارالعلوم کیطرف سے اظہار تعزیت کیا اور حضرت مرحوم کے رفع درجات کی دعائیں ہوئیں، حق تعالیٰ مرحوم کو اعلیٰ مقامات قرب و رضا سے نوازے اور امام دعوت و عزیمت محی الاسلام حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے اس خاندان میں فاروقی رضہ دعوت و عزیمت کی نسبتیں جاری و ساری رہیں کہ اس وقت عالم اسلام زبانِ حال سے تڑپ تڑپ کر روحِ فاروقی کو پکار رہی ہے، اور برصغیر پاک و ہند نہایت شدت سے ایک اور مجدد الف ثانی کا محتاج ہے۔

---

۱۶ ربیع الثانی جمعرات کی شب ضلع سوات کے ایک اور روحانی مرشد اور بلند پایہ بزرگ نے حیات جاودانی اختیار کی گو ان کی زندگی گوشۂ خمولت و گمنامی میں گذری مگر علمی اور روحانی لحاظ سے ایک بلند اور مثالی مقام کے مالک تھے۔ یہ بزرگ ضلع سوات کے علاقہ شامیزئی قصبہ جورہ کے رہنے والے تھے، اسم گرامی حضرت مولانا محمد قمر صاحب عرف جورہ استاد صاحب تھا۔ آپ اپنے وقت کے مشہور مصلح اور مجاہد صاحب کرامات بزرگ حضرت سنڈاکی بابا مرحوم کے خلیفہ مجاز اور زندگی بھر ان کے دست راست رہے۔ ریاست کے قیام سے قبل اپنے مرشد کے ساتھ بدعات و رسوم کی اصلاح اور خوانین وقت کے مظالم پھر انگریز کے سامراجی عزائم کے خلاف جہاد میں شریک رہے۔ حضرت سنڈاکی بابا نے ان میں علمی ذہانت کے آثار محسوس کئے تو انہیں تحصیل علم کے لئے ہندوستان بھیجا وہاں رامپور وغیرہ میں ایسی اعلیٰ علمی دسترس حاصل کی کہ علماء وقت علمی ادق مسائل میں ان کی طرف رجوع کرنے لگے، ریاست سوات کے قیام میں ان حضرات کا خاص حصہ رہا، طبیعت پر اپنے مرشد کی طرح احیاء سنت اور بدعات کے انسداد کا غلبہ تھا، عمر بھر ملک و ملت کی اصلاح میں لگے رہے۔ ہندوستان سے واپسی پر آبائی وطن جورہ کے ایک مشہور قاطع بدعات بزرگ اور محدث مولانا مفتاح الدین صاحب مصنف اصلاح الرسوم کے ساتھ رہائش اختیار کی، انہوں نے اپنی صاحبزادی

سے عقدِ نکاح کرایا، اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے میں اولاد دی۔ صاحبِ کرامات اور مستجاب الدعوات بزرگ تھے، بے تکلفی فقیرانہ مزاج سادہ وضع جیسی صفات کے مالک تھے، بدعات سے اتنے ہراساں رہتے کہ ہر وقت دل و دماغ پر یہی خطرہ مسلط رہتا کہ کہیں سنت کی خلاف ورزی نہ ہو جائے کافی عرصہ قبل جب چلنے پھرنے کی سکت تھی تو متعدد دفعہ دار العلوم حقانیہ میں بھی قدم رنجہ فرمایا اور کئی کئی دن طلبہ و اہلِ علم کو اپنی صحبت سے مشرف فرماتے، حق تعالیٰ مرحوم کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے ۔۔۔ اور "فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر" کا مصداق بنا دے۔

پچھلے ماہ الحق کے ایک دیرینہ خادم یعنی میاں محمد شریف صاحب مالک منظور عام پریس پشاور یکایک حرکت قلب بند ہونے سے وفات پاگئے، مدتوں سے الحق کی طباعت بڑے خلوص و محبت سے فرماتے رہے اس مناسبت سے قارئین الحق پر ان کا حق ہے کہ ان کی مغفرت اور رفع درجات کے لئے دعا فرمائیں، اللہ تعالیٰ ان کی خامیوں سے درگزر فرمائے اور مغفرت سے نوازے۔

دار العلوم کے جواں سال و ذہین محنتی طالب علم مولوی محمد شاہ عالم وزیرستانی اکوڑہ خٹک کے متصل دریائے کابل (لنڈا) میں ڈوب کر شہادت پاگئے یہ واقعہ بھی اس ماہ دار العلوم کے طلبہ اساتذہ اور انتظامیہ کیلئے شدید صدمے کا باعث بنا، ہفتہ عشرہ تک دریا سے لاش کی بازیابی کی کوششوں کے باوجود اللہ کو منظور نہ ہوا، علوم دینیہ کی طالب علمی، مسافرت، پھر دریا کی موت اور جمعہ کا دن، شہادت در شہادت کی حکمی علامتیں اور ان کے عند اللہ مقبولیت کی دلیلیں ہیں۔ حق تعالیٰ تمام پسماندگان کو صبر و اجر اور مرحوم کو درجاتِ عالیہ عطا فرمادے۔

قارئین کے خطوط

ایڈیٹر کے نام

افکار و تاثرات

ہماری رسوائی کے اسباب اور علاج | آج ہم جس تباہی اور ذلت و رسوائی میں مبتلا ہیں۔ اس کی رو سے اس کی بنیادی وجوہات ترک جہاد اور ترک امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے۔ یہ ایک لمحہ فکریہ ہے۔ اور ہمیں مندرجہ ذیل لائحہ عمل شروع کرنا ہوگا۔ (۱) دینی سیاسی جماعتیں حکومت کے تعاون سے ایک کروڑ عوامی فوج کی تیاری۔ (۲) تمام دینی و سیاسی جماعتیں اصلاح معاشرہ میں لگ جائیں۔ (۳) تمام دینی و سیاسی جماعتیں جہاد کی منظم ہمہ گیر تحریک شروع کریں۔ کہ ملک کا بچہ بچہ الجہاد الجہاد پکار اٹھے۔ (۴) تمام جماعتیں متحدہ پلیٹ فارم سے حکومت پر فحاشی اور منکرات ختم کرنے پر زور دیں (۵) حسب ضرورت جہاد فنڈ قائم کیا جاسکے جس سے اسلحہ کی فیکٹریاں حکومت قائم کرسکے۔ ان پانچ نکات پر عمل شروع ہونے سے دشمن ہمارے غصب شدہ حقوق سے دستبردار ہو جائے گا۔ اور ہمارے جنگی قیدی باعزت طریقہ سے رہا کرنے پر مجبور ہوگا۔ الحق جس انداز سے کلمہ حق کی اشاعت کر رہا ہے۔ مندرجہ بالا حقائق کو بھی شائع کرکے زخم خوردہ ملت پر احسان عظیم کرے گا۔

(احسان الحق اباسین کالونی تربیلا ڈیم)

فتنہ ثقافت | دینی جماعتوں کو اس صورتحال کا بھی احساس کرنا چاہئے کہ اس وقت ملک کے اندر مختلف فتنے سرگرم عمل ہیں، فتنہ قادیانیت، پرویزیت اور فتنہ ثقافت خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ فتنہ ثقافت کا تو یہ حال ہے۔ کہ حکومت اعلانیہ اسکی سرپرستی کر رہی ہے۔ اور اسے قومی روایات کا خوبصورت نام دے کر اس کے پردے میں مغربی تہذیب کو فروغ دیا جارہا ہے۔ پاکستان میں ثقافتی طائفوں کے رقص و سرود اور حیا سوز مظاہرے کس تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔ پچھلے دنوں لیاقت میموریل ہال میں پیپلز پارٹی کی ایک تقریب میں منعقدہ ثقافتی شو میں مشہور مغنیہ شہناز بیگم نے۔ "سوہنی دھرتی اللہ رکھے" کا "قومی گیت" شروع کیا تو صدر بھٹو اسے سنتے ہی جذبہ حب الوطنی

سے سرشار ہو کر نشست سے کھڑے ہوئے سٹیج کی طرف بڑھے اور شہناز بیگم کے ساتھ تالیاں بجا کر یہ گیت گایا، سب سامعین نے بھی کھڑے ہو کر صدر کا ساتھ دیا۔ صدر کے ساتھ وزراء، سفراء ان کی بیگمات شامل تھیں سب یہ گانا گاتے تھے گویا تمام ہال وجد میں آچکا تھا۔ (تعمیر ۲۰ دسمبر)

ے　دوش از مسجد سوئے میخانہ آمد پیر ما　　چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما

(بارک اللہ مدرار سروان)

قول و فعل کا تضاد | پچھلے ایک اداریہ میں آپ نے بہت اہم سوال اٹھایا کہ موجودہ معاشرتی خرابیوں کو دور کرنے کے لئے ہم ایمان کی قوتوں سے قطعاً کام نہیں لے رہے۔ فکر و عمل گفتار و کردار کے اس تضاد کا سارا معاشرہ بری طرح شکار ہے۔ پوری قوم اپنا زور اسلام کی تعریف میں صرف کر دیتی ہے مگر اس ذہنی اور عملی تفریق و تضاد نے مسلمانوں کو صحیح اسلامی زندگی کی برکات سے محروم کر دیا ہے۔

(بشیر محمود ایم اے ہمن ہزارہ مانسہرہ)

شیعہ نصاب | شیعہ نصاب کی علیحدگی کا فیصلہ فوراً منسوخ کیا جائے ۹۵ فیصد سنی عوام کی اکثریت پر ۵ فیصد اقلیت کو ترجیح دی گئی تو ہم اس کے خلاف تحریک چلائیں گے ہم ہر اس کتاب کا بائیکاٹ کریں گے جس میں شیعہ باب ہو۔

(حسین احمد جماعت دہم شیدو)

قادیانی اقلیت قرار دینے کی تحریک | دار العلوم تعلیم القرآن باغ آزاد کشمیر کے عظیم اجتماع میں صدر آزاد کشمیر اور ارکان اسمبلی کو قادیانی اقلیت قرار دینے کی قرارداد پر زبردست خراج تحسین پیش کیا گیا۔ اور اسے عملی جامہ پہنانے کا مطالبہ کیا گیا۔ نیز اسلامی قوانین کے نفاذ کے وعدہ کو بھی مزید تاخیر کے بعد پورا کرنے کی اپیل کی گئی۔ اس طرح جامع مسجد باغ کے عظیم اجتماع میں بھی ایسی ہی قراردادیں پاس ہوئیں۔

(حافظ عبد اللہ ناظم تعلیم القرآن باغ)

مجلس تحفظ ختم نبوت کے گیارہ رکنی وفد نے مولانا تاج محمود مدیر لولاک لائل پور کی قیادت میں صدر آزاد کشمیر مجاہد اسلام سردار عبد القیوم سے ملاقات کی اور انہیں قادیانی اقلیت سے متعلق قرارداد پر پوری مسلم قوم کی طرف سے مبارکباد پیش کی اور یقین ظاہر کیا کہ اب اس قرارداد کو جلد قانونی شکل دیدی جائے گی۔

(غلام حیدر مجلس تحفظ ختم نبوت اسلام آباد)

خاتون بھی صدر مملکت بن سکتی ہے؟ | دستور ساز اسمبلی نے حال ہی میں یہ فیصلہ کیا ہے۔ کہ خاتون بھی صدر مملکت اسلامیہ بن سکتی ہے۔ ایسی حالت میں یا تو ایسی صورت نکالنا ہوگی جس سے خاتون جمعہ کی نماز امامت کے فرائض بجالا سکے یا اسمبلی کے اس فیصلے کو بدلنے کی کوشش کرنا ہوگی عوام کے منتخب ارکان کا فریضہ ہوگا۔ کہ اس مسئلہ کے فوری حل کو پیش نظر رکھیں۔

(محمد حسین حاجی ایم اے۔ لاہور)

تبلیغی جماعت | مولانا محمد الیاس مرحوم اور ان کے رفقاء اور متبعین کی تبلیغی جماعت مخصوص انداز میں تبلیغ و اشاعت اسلام کا کام کر رہی ہے، ہم جیبوں کی رہنمائی کیلئے اس طرز تبلیغ کی اہمیت کو الحق میں جگہ دیں۔ (عبدالستار الیس، ٹی، ایم۔ سرگودھا)

درس حدیث | احقر کئی سالوں سے الحق کا خریدار ہے، اس کے معیاری بنانے کے لئے آپ کے مساعی اللہ تعالیٰ قبول کرے۔ الحق میں درس حدیث کے عنوان سے ایک مستقل عنوان شروع کیجئے جس میں حدیث کی معنوی اصطلاحی تشریح راوی کے حالات حدیث کے فقہی مسائل وغیرہ شامل کئے جاتے رہیں۔ (محمد سالق خطیب مسجد رحمانیہ۔ لاہور)

فضلاء مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن کراچی | قدیم طلباء کی ایک انجمن تشکیل دی جارہی ہے۔ مدرسہ کے فضلاء اپنے پتے فوری بھیجدیں تاکہ ان کو دعوت نامے بھجوائے جاسکیں۔

(میر عالم خان بخاری مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن کراچی)

مولانا محمد ولی اللہ کی وفات | مولانا مرحوم مہتمم دارالعلوم اسلامیہ نادان شہید نزد اکبر پورہ، مورخہ ۲۷ محرم وفات پا گئے آپ مثنوی مولانا روم کے حافظ تھے۔ مولانا احسان اللہ صاحب کو آپ کا جانشین مقرر کیا گیا۔ (ایک غمزدہ)

محدث کا رسول مقبول نمبر | ماہنامہ محدث لاہور۔ منفرد علمی اور نرالی آب و تاب کے ساتھ مشاہیر علماء امت، ارباب فکر، شعراء اور مشاہیر اہل قلم کے مطبوعہ و غیر مطبوعہ نگارشات اپنی جلوہ میں

لیکر جون کے آغاز میں منظر عام پہ آرہا ہے۔ صفحات ۱۵۰۔ قیمت ۳/ روپے
(مجلس التحقیق الاسلامی گارڈن ٹاؤن لاہور [۱۴])

صدائے اسلام کا نیا دور | ماہنامہ صدائے اسلام نئے ولولوں امنگوں کے ساتھ جلوہ فگن ہو چکا ہے، معیاری ادبیات علمی دینی مضامین بے لاگ تبصرے علم و ادب کا حسین گلدستہ ۔ سالانہ چندہ آٹھ روپے ، فی پرچہ ۷۵ پیسے۔ (ماہنامہ صدائے اسلام جامعہ اشرفیہ پشاور)

گذشتہ ماہ کا الحق پڑھنے ہی کا نہیں بلکہ آنکھوں سے لگانے کے قابل تھا۔ اللھم زد فزد یوں تو الحق کا ہر شمارہ اپنی انفرادیت لئے ہوئے جلوہ گر ہوتا ہے۔ مگر پچھلے شمارہ نے تعریف کی حدود کو پار کر دیا۔ (اثر بدایونی۔ ایڈیٹر بہار نو۔ کراچی)

پوھاند عبدالحئی حبیبی | گرانہ دَ فضیلت خاوند دالحق مدیرہ ! بناد اوسی ! دالحق میاشتیزہ وارسپیږی ۔ او دَ هغې دینې مضامین اوهم کله کله تبصرے خوزي، گټوريې او دَ لوستلو وړ دي ۔ تاسو ته دَ قوم دَ رهنمايئ توفيق غواړم ۔

نو سونږ علمي او دیني او ثقافتي روابط ستاسو سره داسې ټینگ دي ۔ چه دَ جدائي امکان یئے نیشته۔ په اکوړی کښې دَ پښتنو مشترکے روایات ځلیږي ۔ تراوسه هم دَ خوشحال خان د دریځې کورنۍ دَ ادبیاتو ثقافتي اثرونه دلته لاهم سرگند دي۔ امید لرو۔ چه ستاسو دارالعلوم به اوس هم دَ پښتنو لپاره دَ دیني او سیاسي شعور منبع دی۔ مونږ به د دے ځائے کتابونه او مجلے او خپل ثقافتي خپرونې ستاسو دارالعلوم ته درلیږو۔

پوھاند عبدالحئی حبیبی

د صدراعظم فرهنگي مشاور

(مشهور مصنف مورخ او ادیب

جمال مینه کابل افغانستان

کابل یونیورسټي | ښاغلی او پیاوړی سمیع الحق خان د الحق مدیر صاحب!

د الحق ښکلی او درنه مجله ځما دفتر ته را ورسیده چه له رسیدو څخه یې له ډیرې ښځې سره جاج درکوو. موږ هم خپله د وږمې پښتو مجله ستاسو په نامه جاري کړیده. او غواړم چه څو ټوکه پښتو کتابونه هم درته در واستوو. بریالیتوب موغواړو.

په مینه

پوهاند میر حسن شاه

د ادبیاتو او بشري علومو د پوهنځي رئیس

کابل پوهنتون. افغانستان

پیام حق کابل | ستاسو د الحق دیني مجله زموږ د پیام حق د مجلې په تبادله کښې سنده را رسیدلې. سره د دې نه هم دا دی د پیام حق د مجلې د ۱۳۵۲ کال لمړۍ او دوهمه ګڼه ستاسو د مجلې په تبادله درته لیږل په ملګیا در واستول شوي. هیله لرو چه خپلې مجلې پرله پسې را ولیږئ. ترڅو چه زموږ او ستاسو علمي او مطبوعاتي ارتباط یو له بله سره ټینګ شي. په درناوي.

محمد ګلاب ننګیال

(د تبلیغاتو لوي مدیر)

مدرسه دولت شاهی هرات | یقین کردم که مجله مبارکه الحق، طلسمی استعمار را درهم می شکند الحمد لله شهسواران علماء دیوبند در هر زمان ومکان ثابت قدم و پیش آهنگ اند. در عصر امروز با توسعهٔ روز افزون مادیات وجریانات بنیان کن مظاهر مدنیت های کاذب غرب وتعمیم مفاسد نیازمند ومحتاج اند که از طریق مجلات وجرائد ومطبوعات دینی واسلامی خود را انکشاف وتوسعه دهند خوش بختانه مدرسه حقانیه ومجله الحق بتاسی از هدایات قرآنی وارشادات شهسواریان حضرات علماء دیوبند درین وقت غربت اسلام اهداف دینی را تمام وکمال پیش کردند.

مولانا محمد سعید مدرسه دولت شاهی

هرات. افغانستان